

اسلامیات (اختیاری)

دسویں جماعت کے لئے



NOT FOR SALE
Free From Government



خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

اسلامیات (اختیاری)

اسلامیات (اختیاری)

دسویں جماعت کے لئے

دسویں جماعت کے لئے

دسویں جماعت کے لئے



خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

کسی بھی قومی فریضہ میں عمداً کوتاہی کرنا
خیانت ہے اور حدیث نبوی ﷺ کی
زور سے خائن شخص کامل ایمان والا
نہیں ہوتا۔

جملہ حقوق بحق لیڈنگ بکس پبلشر محفوظ ہیں

منظور کردہ: نظامت نصاب و تعلیم اساتذہ خیر پختونخوا، ایبٹ آباد
برمطابق: قومی نصاب 2006

مراسلہ نمبر 2280-82/SS-II مؤرخہ 22/03/2013

مصنفین: نیاز محمد
مسز ناصرہ حمید
محترمہ پروین اختر
محترمہ عزیز نور

نگران نظر ثانی کمیٹی: گوہر علی خان، ناظم نصاب و تعلیم اساتذہ خیر پختونخوا، ایبٹ آباد

فوکل پرسن: ذوالفقار خان، ایڈیشنل ڈائریکٹر نصاب و نظر ثانی کتب، نظامت نصاب و تعلیم اساتذہ خیر پختونخوا، ایبٹ آباد

نظر ثانی: کفایت اللہ، پرنسپل جی ایچ ایس ایس چکنی، پشاور

نیاز محمد، ایس ایس ٹی، جی ایچ ایس سرہند، پشاور

ڈاکٹر شوکت اللہ، اے پی، سپر سائنس کالج پشاور

نصیر اللہ، ایس ایس، جی ایچ ایس ایس نمبر 1، پشاور

مدیر: اعجاز اللہ کا کاخیل، ماہر مضمون (اسلامیات) خیر پختونخوا ایکسٹ بک بورڈ پشاور

زیر نگرانی و رہنمائی: ذاکر حسین آفریدی (چیرمین)

سعید الرحمن (ممبر ایڈیٹی)

خیر پختونخوا ایکسٹ بک بورڈ

تعلیمی سال 2019-20

ویب سائٹ: www.kptbb.gov.pk

ای میل: memberbtt@yahoo.com

فون نمبر 091-9217889

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

مملکت پاکستان بنانے میں یہ عظیم مقصد کارفرما تھا کہ پاکستان میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں اور مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائی اور 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اسلامی ملک ہونے کے سبب اس کا نظریہ حیات اسلام ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے ہماری کوشش ہے کہ ہم اپنے طلبہ و طالبات میں اسلامی اقدار سے محبت و الفت پیدا کریں تاکہ وہ اپنی شخصیت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے حکومت خیر پختونخوا نے اسلامیات (اختیاری) کو موثر اور مفید بنانے کے لیے کوششیں کی ہیں کہ نصاب متوازن، بامقصد اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ہو اور طلبہ کو حصول مقاصد میں کامیابی ہو اور غیر ضروری بوجھ میں الجھنے نہ پائیں۔

اسلامیات اختیاری جماعت دہم کی ترتیب و تدوین اس طرح کی گئی ہے کہ اساتذہ اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ غیر متعلقہ مواد اور مضامین سے گریز کیا گیا ہے۔ اس لیے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ درسی کتاب تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ مزید تفصیلات کے لیے خوب مطالعہ کر کے مکروہ جماعت میں آئیں۔

اسلامیات کی تدریس میں مشغول اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت مکمل طور پر اسلامی طرز پر استوار کریں تاکہ قول و فعل کے تضاد سے بچا جاسکے۔

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ و تراکیب کی وضاحت اس طرح کریں کہ روزمرہ زندگی سے ان کا تعلق واضح ہو سکے۔ نیز فرقہ وارانہ اور فروعی مسائل سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔

جدید طریقہ ہائے تدریس کو استعمال کرتے ہوئے تعلیمی جائزے کے لیے اسباق کی مشقوں میں معروضی، غیر معروضی، نیم معروضی اور عملی سرگرمیاں بھی شامل کی گئیں ہیں تاکہ ہر طرح کی ذہنی قابلیتوں کی آزمائش کی جاسکے۔

NOT FOR SALE

NOT FOR SALE

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	باب اول مضامین قرآن	01
1	1. توحید	01
2	2. نبوت و رسالت	08
3	3. ملائکہ	12
4	4. آخرت / معاد	14
2	باب دوم عبادات	22
1	1. نماز	24
2	2. روزہ	26
3	3. زکوٰۃ	28
4	4. حج	31

3	باب سوم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	36
1	1. رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تعلیمات کی حیثیت و مقام	36
2	2. محبت و اتباع	39
3	3. اسوۂ حسنہ	42
4	باب چہارم قرآنی آیات (ترجمہ و تشریح)	49
5	باب پنجم حدیث اور سنت	68
1	1. جمع و تدوین حدیث	68
2	2. مشہور کتب حدیث اور ان کے مصنفین کا تعارف	72
3	3. اصطلاحات حدیث	77
4	4. منتخب احادیث (ترجمہ و تشریح)	79
6	باب ششم اسلامی علوم اور مسلمانوں کی خدمات	105
1	1. علم فلسفہ	105
2	2. علم کلام	107
3	3. سائنسی علوم	109

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

مضامین قرآن

باب
اول

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ قرآن مجید میں توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و منصب کے حوالے سے آیات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کی استعداد پائیں اور مجوزہ آیات قرآنیہ کا ترجمہ اور تشریح کر سکیں۔

1. توحید

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز ”ایمان باللہ“ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ یوں تو بہت سے گروہ اور قومیں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہیں لیکن اسلام کے نقطہ نظر سے ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف سورۃ اخلاص میں اس طرح کرایا ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ترجمہ: ”کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں“

130	باب ہفتم اسلامی تہذیب و تمدن (تعارف و اہمیت)	7
131	1. اسلامی تہذیب کی خصوصیات	
133	2. اسلامی تہذیب و تمدن کا فروغ	
138	3. معاشرتی استحکام	
145	باب ہشتم اسلام اور عہد حاضر	8
145	1. مسلم ممالک کے باہمی تعلقات	
150	2. مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے مسائل	
153	3. غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل	
156	باب نہم عربی زبان	9
156	1. الْمُرْكَبُ، النَّاقِصُ وَالْثَّام	
158	2. الْمُرْكَبُ، الْعَدْدِي	
161	3. الْمُرْكَبُ، الثَّام	

اس سورت میں توحید کے حوالے سے دو لفظ زیادہ اہم ہیں ایک ”أَحَدٌ“ اور دوسرا ”مُصَدِّقٌ“ یہ دونوں لفظ اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات صفات پر حاوی ہیں۔ اَحَد کا مفہوم یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، اس کو کسی کی حاجت نہیں ہے، وہ یکتا و تنہا، اکیلا، بے نیاز، بے پرواہ اور مستغنی ہے اور مُصَدِّق کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سب کا وکیل، سب کی جائے پناہ، سب کی امیدوں کا مرکز اور سب کا ملجا و ماویٰ ہے۔

یہی توحید کا مفہوم ہے۔ باقی جتنے عقائد ہیں ان سب کی تکمیل عقیدہ توحید سے ہوتی ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ ان سب کا سرچشمہ توحید ہے۔ ملائکہ پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے اور پیامبر ہیں۔ کتابوں پر اس لیے ایمان لانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں، رسولوں پر اس لیے ایمان لانا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یوم آخرت پر اس لیے ایمان لانا کہ یہ مالک الملک کے عدل و انصاف کا دن ہے۔ فرائض کی بجا آوری اس لیے ضروری ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، حقوق کی ادائیگی اس لیے لازمی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر مبنی ہیں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (۲)

ذات و صفات باری تعالیٰ:

(۱) عقیدہ توحید صرف اس قدر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات با کمال پر یقین رکھنا، عقیدہ کی اصل جان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات دونوں میں یکتا ہے۔ ذات میں یکتا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔ اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا کیونکہ باپ اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کوئی شریک نہیں تو نہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا (الاسراء: ۱۱۱)

”اس کی کوئی اولاد نہیں۔“

صفات میں یکتا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حی و قیوم، قادر و رازق اور رحمن و رحیم ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت و بندگی بجالائیں اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کریں اور اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہ جانیں۔

خدا کو کسی نے دیکھا نہیں۔ اس کی بنائی ہوئی کائنات اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر انسان خالق کائنات کی وحدانیت، قدرت اور علم و حکمت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ ذات الہیہ زمان، مکان، جہت، صورت، جسم، تغیر، تاخر اور انتقال سے کامل

طور پر پاک ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ یعنی ایک ایسا وجود جو ہمیشہ تھا، ہے اور رہے گا۔ وہ قائم بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحج: ۳)

”وہی ازل ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے“

کائنات میں اسی کی قدرت کا ظہور ہے، اس طرح وہ ظاہر ہے۔ اور وہ نہیں دیکھا جاسکتا اس لیے اپنی ذات میں پوشیدہ بھی ہے۔ وہی ایک ذات ہے کہ جسے بقا حاصل ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِوَجْهٍ ط (سورة القصص: ۸۸)

”ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔“

اسلام نے صفات الہیہ کا جو تصور دیا ہے وہ ذات الہیہ کے شایان شان ہے جیسے ذات الہیہ بے مثال ہے ویسے ہی صفات الہیہ بھی بے مثال ہیں۔

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى ط (سورة النحل: ۶۰)

”اللہ تعالیٰ کی صفات سب سے برتر اور اعلیٰ ہیں“

لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (سورة طہ: ۸)

”اس کے اچھے اچھے نام ہیں“

لفظ ”اللہ“ اسم ذات ہے اور باقی اسمائے حسنا اس کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم اور لاحدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے، رب (پالنے والا) ہے، الرحیم (بار بار رحم کرنے والا)، الرحمان (بے حد رحم کرنے والا)، اللودود (پیارا کرنے والا)، الوہاب (بہت عطا کرنے والا)، الجبار (جبروت والا)، العزیز (زبردست۔ غلبہ والا)، القہار (غالب، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا)، المتکبر (اپنی بڑائی دکھانے والا)، المتنقم (سزا دینے والا)، الخی (زندہ اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا)، القیوم (قائم رہنے والا)، السميع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا) اور الحکیم (حکمت والا) ہے۔

وہ قادر مطلق ہے، اس کی کوئی عداورانتہا نہیں ہے:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ (سورة فاطر: ۱)

”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ ﴿٢٥٥﴾ (سورة البقرة: ۲۵۵)

”اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔“

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴿٥٣﴾ (سورة الاعراف: ۵۳)

”سن لو، خلق اور امر اسی کے ہیں۔“

اس کی قدرت کی طرح اس کے علم کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے:

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾ (سورة الحجرات: ۱۶)

”اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ﴿٣﴾ (سورة سبا: ۳)

”اس سے کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں۔“

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا ﴿٣﴾ (سورة سبا: ۳)

”اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے۔“

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٩﴾ (سورة المؤمن: ۱۹)

”وہ نگاہوں کی چوری اور دہرازی تک جانتا ہے جن کو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔“

وَلَعَلَّكُمْ مَا تُونُسُ يَهْ نُفْسُهُ ﴿١٦﴾ (سورة ق: ۱۶)

”اور ہم انسان کے دلوں کے دوسوں تک کو جانتے ہیں۔“

خالقیت و ربوبیت:

کائنات اور دنیاوی نظم و نسق کو قادر مطلق کی ذات ہی نے قائم کیا ہے۔

ہر انسان کی شکل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی آواز الگ، نشانات جدا، خصلت و عادات جدا، پیدائش علیحدہ اور خاتمہ مختلف انداز میں۔ آخر وہ کون سی قدرت ہے جس کے تحت یہ کام ہو رہا ہے۔ دنیا میں آن کرہ و نواہی اور ان کی پیدائش اور وفات کا سلسلہ سالہا سال سے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ لیکن تمام افراد کی انکلیوں کے پوروں کے نشانات حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے بنیادی سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی قدرت ہے جس کے ماتحت یہ کام انجام پا رہا ہے۔ انسان یہ سب کچھ دیکھتا ہے تو پکارا رشتا ہے۔

فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٣﴾ (سورة المؤمنون: ۱۳)

”بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ، سب کارہگروں سے اچھا کارہگر۔“

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٢٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿٢٦﴾ (الطور: ۲۵-۲۶)

(الطور: ۲۵-۲۶)

”کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین و آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔“

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمُوتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ (سورة المؤمنون: ۸۶)

ترجمہ: ان سے پوچھو کہ سات آسمانوں کا کون مالک ہے اور عرش عظیم کا کون مالک ہے؟

اس آیت میں توحید ربوبیت کے عقیدے پر دلیل دی جا رہی ہے۔ اے میرے رسول اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے پھر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ یہ جاننے کے باوجود اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہو اور قرآن اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہو تو کیا اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: سب طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔

”الحمد میں ال، استغراق یا انحصار کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں یا اس کے لیے خاص ہیں۔ کیوں کہ تعریف کا اصل معنی صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی کے اندر کوئی خوبی اور کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔“ اللہ“ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ”رب“ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ ”عالمین“ (عالم) کی جمع ہے جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن ”رب العالمین“ سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طبائع اور اجسام کے مطابق مہیا کرتا ہے۔

معبودیت:

اگر اس کائناتی نظام کو چلانے والے کئی معبود ہوتے تو یقیناً ان کے درمیان اختلاف ہوتا اور نظام کائنات مختلف افکار و نظریات کے تحت نہ صرف بدلتا رہتا بلکہ یہ کائنات تباہ و برباد ہو جاتی اور اس کائنات میں جو نظم و ضبط اور ترتیب کا فرمانظر آتی ہے وہ نہ ہوتی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: 22)

ترجمہ: ”اگر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود ہوتا تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔“

اللہ تعالیٰ ہمارا معبود ہے اور اس کی ذات رُحمن و رحیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْهٰكُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

”اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے (وہ) رحمان ہے رحیم ہے۔“

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے۔ ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے۔ وہ تنہا معبود ہے، ساری کائنات اس کی عبادت گزار ہے۔

نَسِیْمٌ لِّہٖ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْہُنَّ (بنی اسرائیل: ۲۳)

”ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں۔“

سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ جب کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور فرمانبردار ہے تو ایسی کوئی مخلوق معبودیت میں اس کے ساتھ شریک کیونکر ہو سکتی ہے۔ خدا تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو سب کا خالق اور مالک ہے جس کی قدرت مطلق و غیر محدود ہو، وہ جو چاہے اسے کرنے کی طاقت رکھتا ہو، جس کا علم سب کو محیط ہو۔ ایسی صفات کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

وَ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (سورۃ المؤمن: ۶۸)

”جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔“

رحمانیت:

اللہ تعالیٰ رُحمن اور رحیم ہے، تمام مخلوقات اس کی بے پایاں رحمت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔ اس کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ اتنی وسیع و عریض کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد وہ اس کی تدبیر بھی کر رہا ہے۔ ایک نظام کے تحت اسے چلا رہا ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے۔ انسان پر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰتٰکُمْ مِنْ کُلِّ مَآسَاَلٍ مَّوۡءَۃً ۚ وَاِنْ نَّعُدَّ وَاِنۡعَمَ اللّٰہُ لَا تَحْصُوۡہَا (ابراہیم: 34)

”اور جو کچھ تم نے مانگا تمہیں عطا کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔“

اسی طرح سورۃ الرحمن میں اللہ تعالیٰ بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَیَاۤیُّ اِلٰہِیۡنَا تَکۡذِبُوۡنَ (الرحمن: 13)

”تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ بے انتہا رُحمن اور رحیم ہے۔ اس کی رحمت بے پایاں کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ وہ اس قدر رحم کرنے والا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہم روزانہ اتنے زیادہ گناہ کرتے ہیں مگر وہ پھر بھی ہمارے گناہوں سے درگزر کر کے ہمیں رزق دے رہا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اس وسیع اور بے پایاں رحمت کو ایک مثال کے ذریعے اس طرح واضح

کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی پیش کئے گئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا ایک شیر خوار بچہ چھوٹ گیا تھا اور وہ متاکی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو بھی دیکھتی اسے پیار کر کے لگتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں، خود پھینکنا تو دور کنار، اگر اسے گرنا ہوا دیکھے گی تو اسے بچانے کی حتی المقدور کوشش کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کا رحم اپنے بندوں کے لیے اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے اپنے دل میں رکھتی ہے۔“ (صحیح بخاری 5999، مسلم: 7153)

ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نوازشوں کا شکر ادا کرتے رہیں تاکہ وہ ہم پر پہلے سے بھی زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہو جائے۔

2: نبوت و رسالت

۱: نبوت و رسالت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

اسلام کے عقائد میں توحید کے بعد ”رسالت“ کا درجہ ہے۔ ”رسالت“ کے لغتی معنی ہیں پیغام پہنچانا اور رسول کے لغتی معنی ہیں پیامبر۔ دینی اصطلاح میں رسالت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور رسول کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا۔

۳: نبی کا لغتی مطلب ہے خبر دینے والا اور نبوت کا لغتی معنی ہے خبر دینا۔ ”نبی اور رسول“ اور ”نبوت اور رسالت“ ہم معنی اصطلاح میں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ رسول صاحب شریعت و کتاب ہوتا ہے جبکہ نبی کے لیے صاحب شریعت و کتاب ہونا لازمی نہیں ہے ہر رسول اللہ تعالیٰ کا نبی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود عمل کر کے دکھاتا بھی ہے اور لوگوں کی سیرت کی تعمیر و تزکیہ بھی کرتا ہے۔ رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اس کو عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

انبیاء اور رسل پر ایمان:

انبیاء کی ضرورت اور اہمیت کے حوالے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جس طرح پانی، ہوا اور غذا انسانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم و تبلیغ انسانی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لیے بنیادی اہمیت کی

حامل ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ آپ پر نبوت و رسالت کو ختم کر کے اس کو تمام انبیاء و رسل پر ایمان لانے کی سعادت عطا کر دی جو گزشتہ امتوں کو حاصل نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رُّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”ختم نبوت“ کا اعلان فرما کر اس بات کو واضح کر دیا کہ انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی بن کر آئے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

أَنَا آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ

”میں تمام نبیوں میں سے آخری نبی ہوں اور تم تمام امتوں میں سے آخری امت ہو۔“

انبیاء علیہم السلام کی صفات:

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی کئی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے نمایاں صفات درج ذیل ہیں۔

بشریت:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ کسی انسان کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ (یوسف: ۱۰۹)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے آدمیوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحِي إِلَيَّ (الکہف: ۱۱۰)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دیجیے میں تمہاری طرح انسان ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے

انبیاء کرام علیہم السلام پر عسکرین کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا رہا کہ یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ ہماری طرف فرشتے کیوں نہیں بھیجا گیا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَوْ كَان فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُّمَشِّقُونَ مَطْمَتَيْنِ لَفُتْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكَاتُ رُسُلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۹۵)

ترجمہ: اے پیغمبر! فرمادیجیے اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور آہستہ آہستہ تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں میں ممتاز ہی اس وجہ سے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی اور حجرات سے نوازا اور نبوت کے منصب پر فائز کیا۔

وہیت:

وہیت کے معنی یہ ہیں کہ رسالت کوئی آکتابی شے نہیں جو محنت و جستجو سے مل جائے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور انعام ہے اور اسی شخص کو ملتا ہے جسے خداوند کریم مرحمت فرماتا ہے۔ اس کے ملنے میں انسانی کوشش، ارادے اور جستجو کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ تاہم انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات زندگی سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ اہم منصب جن لوگوں کو عطا کیا گیا وہ سب نیکی، تقویٰ، ذہانت اور عزم و ہمت جیسی بلند صفات کے مالک تھے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (سورۃ الجمع: ۴)

”یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کر دے۔“

رسالت کے لیے انتخاب ایسے افراد کا کیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے اس عظیم مقصد کے لیے موزوں ترین تھے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین نے آپ کے نبی بنائے جانے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اگر کسی کو نبوت ملنا چاہی تو آپ کی نسبت ہم اس کے زیادہ حقدار تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (سورۃ الانعام: ۱۲۴)

”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہیے۔“

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور شریعت کے نام پر جو کچھ بھی انسانوں کے سامنے بیان فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ پیغمبر ہدایت ربانی کے تابع اور اللہ تعالیٰ کے ترجمان ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۃ النجم: ۳-۴)

”وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جاتا ہے۔“

اطاعتِ انبیاء لازم ہے:

انبیاء کی اطاعت دوسری ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (سورۃ النساء: ۶۴)

”ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (سورۃ الفاطر: ۲۴)

”کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا (رسول) نہ آیا ہو۔“

نبی چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات پہنچاتا ہے اس لیے اس کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (سورۃ النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

اسی طرح پیغمبر کتاب اللہ کا شارح ہوتا ہے، امت کا معلم و مربی ہوتا ہے، امت کے لیے نمونہ تقلید ہوتا ہے، قانون ساز قاضی ہوتا ہے، اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرنے اور ان احکامات کے مطابق عمل کرنے سے دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی یقینی ہوتی ہے یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی کا انحصار انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرنے پر ہی منحصر ہے۔

رفعتِ شان:

رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ رسول بشری ہوتا ہے لیکن پختہ کردار، پرکشش اور ممتاز اوصاف حمیدہ کا مالک ہوتا ہے۔ لوگوں کا بے حد خیر خواہ ہوتا ہے۔ بڑا صاحبِ عزیمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جب منصب رسالت پر سرفراز فرماتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے مشن کو انجام دینے کے لیے اپنی جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ صبر و استقامت میں بے مثال ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات اس کے پائے استقلال کو ڈگدگائیں سکتیں۔

رسول کی بصیرت و فراست بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے ان چیزوں کا بھی علم ہوتا ہے جو عام انسانوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے سامنے کام سرزد ہوتے ہیں جو عام لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور جن کے کرنے سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں (یعنی معجزات)۔ رسول کا منصب بہت کٹھن اور عظیم ہوتا ہے۔ اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ رسول کو اعلیٰ صلاحیتیں و ولایت کرتا ہے۔

عصمتِ انبیاء:

ہر نبی اور رسول ولادت سے لے کر وفات تک گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوتا ہے اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہداشت میں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اس لیے بھیجے ہیں کہ لوگ ہر حالت میں ان کی اطاعت کریں یعنی انبیاء کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا، غیر مشروط کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت کے لیے کسی قسم کی شرط یا قید نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حالت میں ان کی

اطاعت کی جائے۔ غیر مشروط اطاعت صرف اس کی کی جاسکتی ہے جس سے کسی غلطی اور گناہ کا امکان نہ ہو، اس لیے انبیاء کو ہر طرح کے گناہوں اور غلطیوں سے پاک رکھا گیا ہے، دوسرے الفاظ میں اس کی معصوم ہوتا ہے، اس سے دینی امور میں نہ فکر و اجتہاد کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں نہ اخلاق و اعمال کی لغزشیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی فکر و بصیرت حد درجہ کامل ہوتی ہے اور اس کی اخلاقی قوت بھی، ایک طرف تو وہ احکام الہی کا منشاء سمجھنے اور ان سے اپنے اجتہاد کے ذریعے مزید احکام نکالنے کی بہترین صلاحیتیں رکھتا ہے، دوسری طرف اسے اپنے نفس پر پورا پورا قابو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی اخلاقی حس، اس کا خوف خدا اور اس کا اندیشہ آخرت اس درجہ ترقی یافتہ ہوتا ہے کہ گناہ کے محرکات سراٹھائی نہیں پاتے اور ساتھ ہی خداوند کریم کی خصوصی نگرانی و حفاظت انہیں فکر و اجتہاد کی غلطیوں اور اخلاق و اعمال کی کوتاہیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ وحی اور الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہدایات انہیں مسلسل وصول ہوتی رہتی ہیں۔ نبی ایسا انسان کامل ہوتا ہے جو بے حد روحانی قوت کا حامل ہوتا ہے اور ہر قسم کی برائی سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔

3 : ملائکہ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کی واحد ملک ہے جس کے لغوی معنی قاصد اور پیغام رساں کے ہیں، فرشتوں کے لیے قرآن مجید میں ملائکہ کے علاوہ ”رسول“ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، رسول کے معنی بھی قاصد کے ہیں۔ فرشتوں کو ملائکہ اور رسول یعنی قاصد اس لیے کہا جاتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسائی کا کام کرتے ہیں۔

ملائکہ کی حقیقت اور نظام کائنات میں بحیثیت کارکنان قدرت ان کا کردار:

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، قرآن مجید نے ان کے اس باطل عقیدے کی اصلاح کی اور بتایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان کے پاس کسی قسم کا اختیار یا اقتدار نہیں بلکہ یہ ان کا فرض ہے کہ اس کائنات کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ قوانین کے تحت چلائیں، فرشتوں کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذرہ بھر بھی سرتابی کر سکیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ (التحریم: ٦)

”وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

ملائکہ کی تعداد ہمیں معلوم نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حساب ہیں، آسمانوں پر بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ نہ ہو، ہر انسان کے ساتھ کئی فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے کچھ اس کی حفاظت

پر مامور ہوتے ہیں کچھ انسان کے اچھے اور برے اعمال لکھتے رہتے ہیں، اس طرح دنیا کے ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو باطنی اور روحانی انتظامی مشینری قائم کی ہے، وہ فرشتوں پر مشتمل ہے۔

ملائکہ پر ایمان:

جس طرح توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا حکم ہے اسی طرح ملائکہ پر بھی ایمان لانے کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَكِنَّ الْإِنْسَانَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ﴿١٧٠﴾ (البقرہ: ١٧٠)

”لیکن اصل نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور سب نبیوں پر۔“

ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی ایک نوری مخلوق مانیں جو ہر کام اس طریقے سے سرانجام دیتے ہیں جیسے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، وہ اپنے طور پر کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمے مختلف کام لگائے ہوئے ہیں جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق پورے کرتے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ:

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ (النحل: ٥٠)

”وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے ہیں اور جو انہیں حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں۔“

فرشتوں پر ایمان دراصل عقیدہ توحید کی تکمیل ہے۔ قرآن وحدیث نے فرشتوں کے بارے میں لوگوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتوں کو شریک ٹھہرانے کے عقیدے کی تردید کی اور فرشتوں کا اصل مقام بتایا ہے۔

انسان مادی زندگی اور اس کے فوائد و نقصانات پر بہت زیادہ یقین رکھتا ہے اور جو مخلوق نظیر نہ آئے اس کو ماننے کے لیے آسانی سے رضا مند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی شکل میں نوری مخلوق پیدا فرما کر اپنی قدرت سے ہمیں آگاہ کیا اور پوری کائنات کا نظام ان کے ذمہ لگا کر ہمیں یہ بتایا کہ ہر نظام چلانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور اس نوری مخلوق پر ایمان لانے کا حکم دے کر ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتقاد کر کے کچھ ایسی چیزوں کو مان لینے کی تربیت دی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جن کا ذکر اکثر آتا ہے، ان کی تعداد چار ہے اور ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا سب سے مقرب فرشتہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات انبیاء اور رسل تک پہنچانے پر مامور ہے۔ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ان کا مقام بہت بلند ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا

ذکر حدیث اور سیرت کی کتابوں میں کثرت سے آتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے پورے عرصہ میں جو تقریباً تیس سال کی مدت ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شب و روز، سفر و حضر ہر حالت میں حاضر ہوتے رہے۔ کبھی اپنی اصل شکل میں آتے، کبھی انسانی شکل میں۔ کبھی قرآن حکیم کی آیات اور سورتیں لے کر آتے اور کبھی کوئی اور پیغام۔

حضرت میکائیل علیہ السلام:

اس کائنات میں لکھ و نقش چلانے کا کام ان کی ذمہ داری ہے۔ بارش برسانے اور لوگوں تک رزق پہنچانے کا کام ان کے

ذمہ ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ کا یہ مقرب فرشتہ ہر انسان کے پاس آتا ہے کیونکہ یہ تمام جانداروں کی ارواح قبض کرتا ہے۔ انہیں ملک

الموت (موت کا فرشتہ) بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام:

حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت برپا کرنے کے لیے صور پھونکیں گے۔

4: آخرت / معاد

معنی و مفہوم:

آخرت کا مطلب ہے بعد میں آنے والی۔ ہماری عارضی زندگی کو قرآن حکیم میں ”الحیوة الدنیا“ کہا گیا ہے، یعنی قریب ترین زندگی یا صرف اولیٰ کہا گیا ہے، یعنی پہلی یا ابتدائی زندگی۔ موت کے بعد کی زندگی کو آخرۃ اور عقبیٰ کہا گیا ہے، عقبیٰ کا معنی ہے پیچھے آنے والی۔

اسلام کا تصور آخرت:

اسلام میں آخرت کا نہایت واضح تصور دیا گیا ہے۔ قیامت برپا ہوگی، یہ ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ مرے ہوئے تمام انسانوں کو دوبارہ زندگی دے کر اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی پیشی ہوگی۔ دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ انعام پائے گا اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے وہ سزا پائے گا۔ اسلام کے تصور آخرت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

★ انسان کی اس ارضی یا دنیوی زندگی کا خاتمہ اصل میں ایک زندگی سے دوسری زندگی میں تبدیلی ہے۔ مرنے سے انسان کا صرف جسم فنا ہوتا ہے، اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔

★ یہ دنیوی زندگی بہت محدود مدت کی اور عارضی ہے، جبکہ اخروی زندگی دائمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَقَوْمُ اِنَّمَا هِيَ اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۚ وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (المومن: ۳۹)

”اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيٰوَانُ ۚ

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ ﴿

(الحکبوت: ۶۳)

”اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی تو دار آخرت ہے، کاش یہ لوگ علم رکھتے۔“

★ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں انسان جو کچھ بوئے گا اس کی فصل آخرت میں کاٹے گا۔ یعنی یہاں جو

عمل بھی کرے گا اس کی سزا یا جزا آخرت میں ملے گی۔

★ یقیناً دنیوی زندگی سے آخرت بہتر ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ ۝ (النحل: ۳۰)

”اور یقیناً آخرت تیرے لیے اولیٰ (دنیا) سے بہتر ہے۔“

ایک اور مقام پر دنیا کی زندگی کا آخرت کے ساتھ یوں موازنہ کیا گیا ہے:

وَقَرِ حَٰوِلًا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا لَمَتَاعٌ ۝ (الرعد: ۲۶)

”یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا کی اہمیت و قدر گھٹ کرے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ آتا۔“ (ترمذی)

★ آخرت میں نجات اور کامیابی کا دار و مدار صرف اور صرف ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اس کے سوا وہاں کوئی

چیز کام نہ آئے گی۔ نسل، قرابت داری، دولت اور جاہ و شہرت وغیرہ کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔
 انسان کے اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولی جائے گا۔ ایک طرف نیکیاں اور ایک طرف برائیاں۔ اگر نیکیوں کا پلڑہ
 بھاری ہوگا تو انعام ملے گا۔ اگر برائیوں کا پلڑہ بھاری ہوگا تو سزا ملے گی۔
 جو شخص انعام کا مستحق قرار پائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور سزا کے حقدار کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

بَیِّنَاتٌ بَعْدَ الْمَوْتِ:

ہر انسان نے مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن مجید میں مختلف مقامات پر یوں ارشاد ہے۔

أَحْسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾ (المومنون: ۱۱۵)

”کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تمہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا ہی نہیں؟“

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴿۲۷﴾ (الزمر: ۲۷)

”وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔“

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۹﴾

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۸﴾ (نہس: ۷۸-۷۹)

”انسان کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ سب بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ کہہ دیجئے کہ وہی ان کو دوبارہ زندہ

کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کے ہر کام کو خوب جانتا ہے۔“

حشر:

موت انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ زندگی کا انجام نہیں ہے، بلکہ ایک اور زندگی کا آغاز ہے۔ ہر انسان ایک طرح کی عبوری نئی زندگی شروع

کر دیتا ہے، جسے قرآن مجید نے برزخ کہا ہے۔ جب اجتماعی ہلاکت قائم ہو چکے گی تو اس کے بعد سب کے سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے

گا۔ اب ایک ایک فرد سے اکیلے اکیلے پہلی زندگی میں کیے گئے اعمال کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا

يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۲۸﴾

(البقرہ: ۲۸)

”اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی جان کے کام نہ آئے گی اور نہ ان سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ان سے

معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی“ ﴿۲۸﴾

انسان کی کوئی نیکی یا بدی چھپی نہیں رہ جائے گی۔ قرآن مجید نے یوم حشر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ لرزادینے والی
 ہیں۔ اس دن کسی طاقت کا استعمال، سفارش، بہانہ یا فدیہ کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ معافی کا وقت بھی گزر چکا ہوگا۔ اس کے ساتھ اس دنیا
 میں بظاہر ضائع ہو جانے والی نیکیوں کے سزے افزاء نتائج نیک لوگوں کے سامنے آئیں گے۔ قرآن مجید کی صرف دو آیات اس حساب
 کتاب کی کیفیت سمجھانے کے لیے کافی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۲۶﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۲۷﴾

(الزلزال: ۷-۸)

”تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا، اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے گا، اسے دیکھ لے گا۔“

حساب و کتاب:

حساب و کتاب کے نتیجے میں مجموعی طور پر نیک و بد اور اچھے برے انسان الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ دونوں قسم کے

انسانوں کو ایک ابدی زندگی دی جائے گی جس میں موت نہیں آئے گی مگر زیادہ نیکی کرنے والوں کو نعمتوں سے نوازا جائے گا، جبکہ زیادہ

برائی کرنے والوں کو بدترین سزا دی جائے گی۔ اس انعام اور سزا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم (دوزخ) کہہ کر کیا ہے۔

آخرت کے اس حساب و کتاب میں اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کون سے قانون کے مطابق پرکھ کی جائے گی؟

نیکی اور بدی کا معیار کیا ہوگا؟

گواہ کہاں سے لائے جائیں گے؟

ہر آدمی کے اعمال کا ریکارڈ کہاں سے لیا جائے گا؟

یہ سب کچھ اس دین اور قانون کے مطابق ہوگا جس کی خبر اس زندگی میں رسولوں کے ذریعے دی گئی تھی اس لیے اس دن کا

نام بھی قرآن مجید میں (یوم الدین) آیا ہے یعنی جزا و سزا کا دن یا (دین) نتائج کے ظہور کا دن۔ اس دن توحید، رسالت اور آخرت

پر ایمان یا ان کے انکار کے اچھے برے نتائج سامنے آ جائیں گے۔ اس دن انبیاء کرام علیہم السلام کی خوشخبری دینے اور ڈرانے کی ایک

ایک بات درست ثابت ہوگی۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت اور ان کی تعلیمات کی صداقت اس دن روز روشن کی طرح عیاں ہو

گی۔ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن اپنے بلند ترین مرتبے ”مقام محمود“ پر جلوہ گر ہوں گے۔

جنت و دوزخ:

جنت آخری زندگی میں نیکو کاروں کا مقام ہے اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے جن کے برے اعمال نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔ جنت کی زندگی دائمی ہے۔ جہنم کی زندگی کے بارے میں آیا ہے کہ اہل ایمان اپنے گناہوں کی سزا پا کر آخر کار جہنم سے نجات حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جنت میں انسان کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جس کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی۔ ارشاد باری ہے: **وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ** - (الزخرف: ۷۱)

ترجمہ: ”اور اس جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کی دل خواہش کریں گے جو آنکھوں کو لذت دینے والی ہوگی“

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ (ہم السجدہ: ۳۱)

”اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہارے دل خواہش کریں گے اور تمہارے لیے وہ کچھ ہوگا جس کی تمہارا دعو ہے۔“

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بڑے دلکش انداز میں جنت کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ گھنے باغات، ان کے نیچے بہتی نہریں، پانی اور شہد کی نہریں، معتدل موسم، ہر قسم کے میوے، چاندی کے برتن، شیشے کے جام، حوریں اور غلمان، یہ سب چیزیں وہاں موجود ہوں گی۔ احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جنتیوں کو سب سے بڑا انعام یہ ملے گا کہ انہیں دیدار الہی بھی نصیب ہوگا۔

قرآن مجید میں جہنم کی ہولناکیوں کو بھی جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کا ایدھن انسان اور پتھر ہیں۔ جہنم کی بھڑکائی ہوئی آگ بدن کو چھوٹی ہوئی دل تک پہنچے گی۔ جہنم کی آگ میں نہ وہ جھیں گے اور نہ مریں گے۔ وہ آگ کھال کو ادھیرنے اور کبھی نہ بجھنے والی ہے۔ جہنم میں لوگوں کو کھولنا ہوا پانی پلایا جائے گا جو آمتوں کو کاٹ دے گا اور کھانے کو خاردار جھاڑی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

شفاعت:

قرآن مجید میں اس بات کو کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز نہ کوئی اعمال کا سودا ہوگا، نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش۔ ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ اس روز منافقوں اور کفر کرنے والوں سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس روز نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا، اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے، ہر آدمی کو بس اپنی ہی پڑی ہوگی۔ لہذا یہودیوں کا زعم باطل تھا کہ ان کے آباؤ اجداد ان کی شفاعت کر کے اللہ

تعالیٰ سے انہیں معافی لے دیں گے اور دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اس روز آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان نہ لانے والے کفار کے حق میں نہ کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکے گا۔ اس لیے انہیں اس دن سے ڈرنا چاہیے، یعنی گھمبڑ ترک کر کے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لے آنا چاہیے (۱)۔

قیامت کے روز کفار و شرکین کی کوئی سفارش نہیں کرے گا اور ان کے لیے کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ ان اہل ایمان کے حق میں جن سے خطائیں سرزد ہوئی ہوں، فرشتے، انبیاء، شہداء اور صالحین اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے ان کی سفارش کریں گے۔ یہ بات قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ سے ظاہر ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ: ۲۵۵)

”کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے گا مگر اس کی اجازت سے۔“

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (سورۃ یونس: ۳)

”کوئی اس کے پاس اس کا اذن حاصل کیے بغیر سفارش نہیں کر سکتا۔“

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى (الانبیاء: ۲۸)

”اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کی جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔“

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا (سورۃ مریم: ۸۷)

”وہ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر جس نے رحمن سے اقرار لیا ہو۔“

ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے عہد یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ (تفسیر القرطبی 379)

متعدد احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی امت کے گناہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ یعنی آپ

صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت حاصل ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں اور اللہ

تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ”شفیع المذنبین“ کہا جاتا ہے۔



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کی صفات قرآن مجید کی روشنی میں بیان کریں۔

ب۔ سورہ اخلاص توحید الہی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ وضاحت کریں۔

ج۔ نبوت و رسالت کا مفہوم بیان کریں نیز یہ بتائیے کہ مصہب رسالت کے لیے انسانوں کوئی کیوں منتخب کیا گیا؟

د۔ فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

ه۔ اسلام مرنے کے بعد والی زندگی کے بارے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے؟ وضاحت کریں۔

و۔ قیامت کے دن شفاعت کے تصور پر بحث کریں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

۱۔ ایمان باللہ سے کیا مراد ہے؟

۲۔ رسول کے لغوی معنی کیا ہیں؟

۳۔ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

۴۔ معجزات سے کیا مراد ہے؟

۵۔ اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو اپنا نبی منتخب کیا؟

۶۔ فرشتوں یا جنوں کو نبی کیوں نہ بنایا گیا؟

۷۔ نبی کو معصوم کیوں کہا جاتا ہے؟

۸۔ ملائکہ کو کوا صدکس وجہ سے کہا جاتا ہے؟

۹۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ذمہ کیا کام ہے؟

۱۰۔ دنیا کی زندگی کو کیا کہا گیا ہے؟

۱۱۔ جہنم کا ایندھن کن کو قرار دیا گیا ہے؟

سوال نمبر ۳: درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ شَفِيعُ الْمَرْءِ نَبِيْنٌ کا مطلب ہے۔

ii۔ آخری نبی

iv۔ قییموں کا والی

i۔ جہانوں کے لیے رحمت

iii۔ گنہگاروں کا سفارشی

ب۔ جتنیوں کو سب سے بڑا انعام کیا ملے گا؟

i۔ خوریں اور غلامان

iii۔ باغات اور پھل

ج۔ مقام محمود کس کی فضیلت ہے؟

i۔ حضرت آدم علیہ السلام

iii۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام

د۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی اہمیت کس چیز کے برابر ہے؟

i۔ کھانا

ii۔ گنہگاروں کے پر

iii۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام

iv۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام

و۔ نبی کے لفظی معنی ہیں؟

i۔ پیغام پہنچانے والا

iii۔ رہنمائی کرنے والا

ه۔ ”لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا“ کا کیا مفہوم ہے؟

i۔ اس کی کوئی اولاد نہیں

iii۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں

ii۔ اس کا کوئی باپ نہیں

iv۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

سرگرمی: طلبہ/طالبات کو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک گروپ اسلام کے بنیادی عقائد کا چارٹ بنا کر پیش کریں اور دوسرا گروپ چار مشہور فرشتوں کے نام و کام کا چارٹ بنا کر پیش کریں۔

باب
دوم

عبادات

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ عبادات کا وسیع تر مفہوم سمجھتے ہوں اور اس کی مختلف صورتوں مثلاً نماز، روزہ، انفاق و زکوٰۃ و عشر کی عبادتی نیز معاشرتی اہمیت سے آگاہ ہوں اور انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ خود انسان کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم اس کا جواب یوں دیتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذاریات آیت : ۵۶)

ترجمہ: ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

انسان کو دنیا میں سکراتی کرنے، مال و دولت کمانے، علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور کائنات کی تمام اشیاء کو کام میں لانے کی اجازت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ اس خالق کائنات کے سامنے گردن جھکا کر اس کی نعمتوں کا عملی شکر بھی ادا کرے۔ ورنہ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں انسان اور حیوان دونوں شریک ہیں۔ درحقیقت انسان کا کمال روحانیت کے بغیر ناممکن ہے اور روحانیت کا ارتقاء عبادت سے ہی ہوتا ہے۔ جس طرح جسم مادی اشیاء سے پرورش پاتا ہے اسی طرح روح عبادت سے تربیت و تقویت حاصل کرتی ہے۔

عقائد و ایمانیات سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے تو عبادت سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور رضامندی حاصل ہوتی ہے اور اس سے بندے اور معبود حقیقی کے درمیان ربط و تعلق کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

عبادت کا مفہوم:

عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں۔ عبد کے معنی ہیں بندہ، عابد بندگی کرنے والا اور معبود وہ ہستی ہے جس کی بندگی کی جائے۔ عبد اور بندہ اپنے خالق و معبود کی خوشنودی کے لیے جذبہ اطاعت میں جو کچھ کرتا ہے وہ عبادت ہے، اس لیے ایک مسلمان اپنی نشست و برخاست، لین دین اور آپس کے تعلقات میں جو کام بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی کے جذبے سے کرے یا اس جذبے کے تحت کسی بُرے کام کو چھوڑ دے تو یہ اس کی عبادت شمار ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی تمام تر عبادت ہے یہاں تک کہ اگر اہل و عیال کی خدمت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی کے جذبے کے تحت کی جائے تو یہ بھی عبادت ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”عبادت“ کا اساسی مفہوم اللہ تعالیٰ کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلے میں سرتابی و مزاحمت چھوڑ کر اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا ہے، لہذا اس لفظ سے اولین تصور غلامی و بندگی کا ابھرتا ہے، پھر چونکہ غلام کا اصلی کام اپنے آقا و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اس لیے لازماً اس کے ساتھ اطاعت کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے۔

اسلامی عبادت کی خصوصیات

- (1) اسلامی عبادت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص رہتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اسلام میں بادشاہ، والدین اور دوسرے بزرگوں کے سامنے جھکتا رکوع کرنا، ان کے نام پر قربانی دینا اور وہ تمام رکی آداب ممنوع ہیں جن سے غیر اللہ کی پرستش کی بو آتی ہے۔
- (2) اسلام نے عبادت کے لیے ایسی خارجی شرط کوئی نہیں لگائی کہ جس کا اصل عبادت و اطاعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے یہاں عبادت گاہوں (مسجدوں) میں عبادت کے لیے شیخ روشن کرنے، اگر بتی جلانے کی ضرورت نہیں نہ عبادت کے وقت تصویروں کے سامنے رکھنے کی اجازت ہے اور نہ کسی خاص رنگ یا خاص قسم کے لباس پہننے کی پابندی ہے۔
- (3) اسلام میں دوسرے مذاہب کی طرح مذہبی پیشواؤں کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ نہیں بنایا گیا، ہر شخص براہ راست اپنے رب کی بندگی و عبادت کر سکتا ہے اور ہر پاک جگہ پر عبادت ادا کر سکتا ہے۔

(4) اسلامی عبادات میں افراط و تفریط کی کوئی شکل موجود نہیں۔ ان میں اعتدال و میاند روی ہے، ان میں نہ تو بدعت اور عیسائیت کی طرح نفس کشی، ترک دنیا اور سخت قسم کی ریاضتیں ہیں اور نہ شرکانہ طرز کی رسمیں۔ اسلام سے پہلے لوگوں نے ایسے طریقے ایجاد کیے تھے جو منشاء الہی کے خلاف تھے۔ بعض نے آسمانوں کی طرف ہاتھ پھیلائے اور کھڑے کھڑے ان کے بازو سوکھ گئے، بعض نے جہدے میں یا رکوع میں اتنا غلو کیا کہ زندگی بھرا سی حالت میں رہے۔ روزے رکھنے پر آئے تو اسے رکھنے کا جسم سوکھ کر کاٹنا بن گیا۔ اس کی واضح مثال مہتما بدھ کے نروان حاصل کرنے کے طریقے اور سبکی راہوں کی رہبانیت ہے۔

(5) اسلامی عبادات کا یہ کمال ہے کہ وہ انسانوں کو حیوانیت سے نکال کر زیور انسانیت سے آراستہ کرتی ہیں، اسلامی عبادات کا مقصد جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت ہے وہاں تزکیہ نفس بھی ہے اگر اسلامی عبادت کو صحیح طریقے سے ادا کیا جائے تو جہاں مومن اس سے کامل بنتا ہے وہاں ایک مثالی انسان بن کر نکلتا ہے جس پر معاشرہ فخر کر سکتا ہے۔
الغرض زندگی کو اطاعت الہی کے جذبے کے تحت بسر کرنے کے لیے شریعت نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج چار عبادتیں ایسی مقرر کی ہیں جن کی وجہ سے انسانی اعمال کے تمام شعبے منظم ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت آ جاتے ہیں۔
چنانچہ نماز سے ان اعمال کی تربیت مقصود ہے جن کا تعلق تہا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے، زکوٰۃ سے ان اعمال کی مشق ہوتی ہے جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے فائدے اور آرام سے ہے۔ روزے سے اللہ کی راہ میں جسمانی اور جانی قربانی دینے اور نفس کو مادی خواہشات سے پاک رکھنے کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ حج کے ذریعے جہاں دنیائے اسلام کا آپس میں اخوت کا رشتہ قائم کرنا مقصود ہے وہاں نفس کی اصلاح بھی مطلوب ہے۔

1. نماز

ایمان کے بعد اسلام کا اہم ترین عمل:

توحید اور رسالت کی شہادت کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن نماز ہے۔ دین میں ایمان کے بعد جو مقام نماز کا ہے وہ کسی بھی دوسرے عمل کا نہیں ایمان لانے کے بعد مومن سے اولین مطالبہ نماز قائم کرنے کا ہے۔ قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد نماز ہی کا ذکر ملتا ہے مثلاً

ترجمہ: (1) متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (سورۃ البقرہ آیت: 3)
(2) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور نماز قائم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے اجر ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت: 277)

نماز ایمان کا عملی ظہور ہے:

نماز ایمان کا اولین مظہر ہے۔ یعنی دل میں اگر ایمان موجود ہو تو یہ ایمان ظاہر میں سب سے پہلے نماز کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ایمان ایک باطنی حقیقت اور قلبی معاملہ ہے۔ نماز اس کا عملی پیکر اور ظاہر وجود ہے، گویا کہ ایمان اور نماز لازم و ملزوم ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دل میں ایمان ہو مگر سر میں رکوع اور سجدہ کی تڑپ نہ ہو۔ اس لیے جہاں ایمان ہو گا وہاں لازم نماز بھی ہوگی۔ نماز سے محرومی اس بات کا ثبوت ہے کہ دل میں تکذیب وانکار، دنیا پرستی اور تکبر بھرا ہوا ہے۔ ایمان نہیں ہے۔
قرآن وحدیث میں ترک نماز کو کفر و شرک یعنی عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور نماز کے ادا کرنے میں سستی کو منافقت کی علامت بتایا گیا ہے۔

بَاقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُثْبِرِیْنَ (سورۃ الروم: آیت ۳۱)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ
ترجمہ: پھر بڑی تباہی ان نمازیوں کے لیے جو نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ (سورۃ الماعون: آیت ۶۴۳)
ترجمہ: اور جب یہ منافق نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سوت اور کامل ہو کر اٹھتے ہیں۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۴۲)

نماز ارشادات نبوی کی روشنی میں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کا ہی فاصلہ ہے۔ (رواہ مسلم: 1711، اصح المطابع)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے نماز کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔ (مشکوٰۃ)

پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اُس نے اسلام کی روش چھوڑ کر کافرانہ روش اختیار کی۔ عہد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمیز کرنے والی چیز نماز تھی۔ اس دور میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی شخص مسلمان بھی کہلائے اور نماز نہ پڑھے۔ چنانچہ جو نماز نہ پڑھتا اس کے بارے میں سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں رہا۔

نماز کی اہمیت:

نماز کا فرادوسلمان کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ یہ ہدایت اور تقویٰ کی بنیاد ہے۔ نماز نجات کا ذریعہ ہے۔ نماز ایمان کی محافظ ہے۔ یہ انسان کو بُری عادات سے باز رکھتی ہے۔ نماز کی حفاظت خود نماز کرتی ہے، بشرطیکہ پابندی سے پڑھی جائے۔ قیامت کے دن جب اعمال کا حساب ہوگا تو اہل جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کس چیز نے تمہیں ہلاکت میں ڈالا تو وہ نماز کا ادا نہ کرنا ہی بتائیں گے۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (الدھر: آیت ۴۳)

ترجمہ: وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اسی طرح کا بلی اور دکھاوے کے جذبے سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں اور اس کی عبادت بہت ہی کم کرتے ہیں۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۴۲)

نماز ہر آزاد، غلام، امیر، غریب، تندرست و بیمار، مسافر اور معتمِ شخص پر ہمیشہ کے لیے اور ہر حال میں فرض ہے۔ نماز تو میدان جنگ میں بھی فرض ہے، اور ”صلوۃ الخوف“ کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن کریم میں متعدد بار اور مختلف مقامات پر نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نماز کا اہتمام ہر چیز سے زیادہ کریں کیونکہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا“ (بخاری)

2. روزہ

روزے کا مفہوم:

قرآن مجید میں روزے کے لیے صوم یا صیام کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی ہیں رک جانا اور ترک کر دینا۔ روزے میں انسان صبح کی پونچھنے سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور دوسری روزہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہتا ہے۔

روزے کی فرضیت:

سن ۲ ہجری میں ماہ رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے اور ان کا فرض ہونا کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ (سورۃ بقرہ: آیت ۱۸۳)

ترجمہ: پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

(سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۵)

اسلام میں روزے کی اہمیت و فضیلت:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْفُرْقَانِ - فَسَنُ

شَهِدُ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (حق و باطل) میں فرق کرنے والا ہے۔ جو (شخص) اس مہینے میں موجود ہو اسے چاہیے روزے رکھے۔

قرآن و رمضان کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رمضان میں قرآن مجید کی تلاوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی ماہ میں وحی کی ابتداء ہوئی اور قرآن مجید نازل ہوا۔ اس بابرکت مہینے میں جو بھی نیکی کی جائے اس کا اجر عام مہینوں سے کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ روزے کی عبادت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ثواب کا ذکر اپنے اوپر لیا ہے۔

كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ: الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ (صحیح مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ مگر روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (روزہ) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

روزہ داروں کی مدد کرنا اور ان سے خوش خلقی سے پیش آنا بھی ثواب کا باعث ہے۔ روزہ افطار کروانے کا بھی ویسا ہی ثواب

ہے جیسا کہ روزہ رکھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جو شخص (رمضان میں) کسی روزہ دار کو افطار کروائے گا، اسے روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ جبکہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

ایمان اور اخلاص کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ خواہشات نفس پر قابو پا کر ایک شخص برائی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ ضبط نفس کی یہ کیفیت اللہ کے نزدیک بے حد پسندیدہ ہے (صحیح دار

3. زکوٰۃ

نفت میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے، نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا، وہ مراد کو پہنچا۔

اصطلاح شریعت میں زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر اس لیے فرض کی گئی ہے کہ وہ اپنے مال میں کچھ خاص حصہ شرائط کے ساتھ نکال کر ناداروں، مسکینوں اور زکوٰۃ کے دوسرے حق داروں کو دے دے۔ زکوٰۃ کے ساتھ آدمی کا مال اور خود اس کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں خیر و برکت عطا ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ یہ ناداروں کی کفالت اور تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی اہم عبادت ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف آدمی کے قلب و روح کا تزکیہ ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا قلم اور حسن بندہ بن جاتا ہے۔ زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طلب میں مومن جب اپنے دل پسند مال کو خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے

دل میں نور پیدا ہوتا ہے دنیا کی محبتوں سے دل پاک ہو جاتا ہے اور روح میں تازگی اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت راسخ ہوتی ہے۔ صدقہ دلوں میں خلوص اور سچائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ میں اُس کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی اصل روح رضائے الہی کی طلب اور تناسل ہے۔

زکوٰۃ سن ۲ ہجری میں فرض ہوئی۔ اس کی فرضیت، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم بکثرت آتا ہے اور اکثر اس کا حکم نماز کے بعد متصل ہی دیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور ان (مومنین) کے مالوں میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے محتاج لوگوں کا ایک حصہ ہے۔ (المعارف: ۲۳-۲۵)

زکوٰۃ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ سلیم بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر فرمایا:

”اللہ سے ڈرو، اپنی ہچکچا نہ نمازیں پڑھا کرو۔ رمضان کے روزے رکھا کرو۔ اور مال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو۔ تو جنت میں جاؤ گے۔“ (ترمذی، مستدرج)

- ۱۔ مسلم ہونا، غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں
- ۲۔ اتنا مقروض نہ ہونا جس سے نصاب برابر مال نہ پہنچتا ہو
- ۳۔ پورا ایک سال مال پر گزر جانا
- ۴۔ بالغ ہونا
- ۵۔ صاحب نصاب ہونا

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت موجود ہو، اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں، زکوٰۃ کسی مال پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اسے جمع کیے ہوئے ایک سال گزر چکا ہو۔

سونے کا نصاب: $7\frac{1}{2}$ تولے

چاندی کا نصاب: $52\frac{1}{2}$ تولے

اس کی قیمت لگا کر $2\frac{1}{2}$ فی صد کے حساب سے زکوٰۃ دینی ہوگی۔

اموال تجارت کا نصاب:

اموال تجارت کا نصاب اور شرح وہی ہے جو سونے اور چاندی کے لیے۔

موبیشیوں کا نصاب اور شرح:

بھیر بکریوں کا نصاب 40 ہے چالیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔ گائے، بھینس کا نصاب 30 ہے۔ تیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں۔

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ:

کھیتی اور پھل کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جب فصلیں اور باغ پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور فصل کاٹو تو اس کا حق بھی ادا کرو

(سورۃ الانعام آیت: 141)

جو کھیتی بارش سے سیراب ہوتی ہو تو اس پر دسواں حصہ (عشر) واجب ہے اور جس زمین کو ٹیوب ویل یا نہر سے سیراب کیا جاتا ہے تو اس میں بیسواں حصہ (نصف عشر) واجب ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف:

مصارف، مصرف کی جمع ہے اس کے معنی ہیں خرچ کرنے کی جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف اس طرح بیان کیے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَافَةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْفَرِمْيْنِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(سورۃ البقرہ: 60)

ترجمہ: صدقات یعنی زکوٰۃ وغیرات تو مفلسوں اور ناداروں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کے دل جیتنا منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ مصارف اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف مندرجہ ذیل ہیں:

1. فقراء: ان تک دست لوگوں کی مدد جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔
2. مساکین: ان لوگوں کی مدد جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہوں۔
3. غامین زکوٰۃ: زکوٰۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں دی جائیں۔
4. موقوفہ قلوب: نو مسلموں کی مدد تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف اور مائل ہو جائیں۔
5. فی الرقاب: غلاموں اور قیدیوں کے آزاد کرنے میں خرچ کی جائے۔
6. الفارمین: بے گھر اور مفلس لوگوں کے قرضے کو چکانے میں صرف ہو۔
7. فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور تبلیغ اسلام کے لیے سفر کرنے والوں کی مدد کی جائے۔
8. ابن السبیل: مسافر جو اپنے سفر کے دوران روپیہ نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ گھر میں سب کچھ موجود ہو۔

4. حج

حج کا لفظی اور اصطلاحی مفہوم:

حج کے لفظی معنی قصد و ارادہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مخصوص افعال کے ساتھ خاص زمانے میں خاص مقامات کی زیارت کرنا حج کہلاتا ہے۔
مخصوص افعال سے مراد طواف، سعی اور وقوف عرفات ہے اور مخصوص زمانے سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ تک ہے اور مخصوص مقامات سے مراد بیت اللہ، عرفات، مزدلفہ اور منیٰ ہیں۔

حج کی فرضیت:

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر یعنی خانہ کعبہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو اس گھر کا حج کرے۔
(سورۃ آل عمران: آیت 97)

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اے لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہذا حج کرو۔ (مسلم)

اس پر ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے اس نے تین بار یہی سوال کیا تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہے۔ اس کے بعد جتنے حج کیے جائیں وہ نفل ہوں گے۔

حج ہر اس عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے جو آزاد ہو اور جسمانی طور پر معذور نہ ہو۔ صاحب استطاعت سے مراد وہ شخص جس کے پاس اتنا مال ہو جو حج کے مصارف اور اخراجات کے لیے کافی ہو اور جن کا نان و نفقہ شرعاً اس کے ذمے ہو، کے لیے کافی ہو۔

حج کے اعمال کو اصطلاح میں مناسک حج کہتے ہیں۔

عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں اور شرعی معنی میقات سے احرام باندھ کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنے کے ہیں۔

۱۔ احرام: یہ دو ان کی چادروں پر مشتمل مردہ حایوں کا نہایت ہی سادہ لباس ہے۔ ایک چادر بطور تہہ بند اور دوسری چادر جسم کے اوپر کے حصے کے لیے ہوتی ہے جس کا ایک سرآمد بائیں کندھے کی طرف اور دوسرا دائیں کندھے کی طرف لٹکا تا ہے۔ عورتیں اپنے عام سادہ لباس کے ساتھ سر کے بالوں کو اچھی طرح ڈھانپنے کے لیے اور حسنی یا رومال پہنتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے چہرے کو ستر کر لیں۔

- ۲۔ طواف: بیت اللہ کے گرد چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں، حجر اسود سے شروع کر کے سات چکر پورے کیے جاتے ہیں۔
- ۳۔ سعی: صفا اور مردہ کے درمیان دوڑنے کو سعی کہا جاتا ہے یہ بھی سات مرتبہ کی جاتی ہے۔
- ۴۔ وقوف: میدان عرفات میں قیام کرنے کو وقوف کہتے ہیں۔ حاجی 9 ذی الحجہ کو میدان عرفات میں ٹھہرتے ہیں۔
- ۵۔ قربانی: حج کے اختتام پر 10 ذی الحجہ کو قربانی دی جاتی ہے۔ قربانی سے قبل بال کٹوانا یا منڈوانا جائز نہیں بلکہ قربانی کے بعد ایسا کریں جبکہ عورتیں اپنے بالوں کا صرف ایک لٹ کترتی ہیں، اس کے بعد حاجی احرام سے باہر نکل آتا ہے۔
- ۶۔ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔
- ۷۔ دوران حج حاجیوں پر ”تلبیہ“ (لبیک اللہم لبیک) پڑھنا واجب ہے۔

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اسے خانہ کعبہ تک پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (رواہ مسند فی سنہ کتاب السناسک باب الخروج الی الحج)
- ۱۔ حج سے لوٹنے والے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا پھر اس نے نہ تو کوئی بخشش اور شہوانی عمل کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی کام کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر لوٹے گا جیسے ماں نے اس کو جنم دیا ہو (رواہ البخاری کتاب الحج)
 - ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے حج مبرور کا صلہ جنت ہے (متفق علیہ)
 - ۳۔ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے سہمان ہوتے ہیں۔ وہ اپنے میزبان سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے گا اور وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے گا (ابن ماجہ)
 - ۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”جب کسی زائر حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر پہنچے اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت طلب کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے“ (مسند احمد)

مشق

سوال نمبر 1:

- درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔
- الف۔ عقیدہ اسلام میں عبادات کو کیا مقام حاصل ہے؟
- ب۔ احادیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت بیان کریں۔
- ج۔ زکوٰۃ کن کن چیزوں پر اور کس شرح سے فرض ہے؟ وضاحت کریں۔
- د۔ اسلام میں روزے کی اہمیت و فضیلت پر نوٹ لکھیں۔
- ه۔ حج اور عمرہ میں فرق بیان کریں۔ حج کی فرضیت بھی واضح کریں۔

سوال نمبر 2:

- درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔
- الف۔ نماز کی فرضیت 2 احادیث کی روشنی میں لکھیں۔
- ب۔ زکوٰۃ کے لفظی معنی کیا ہیں؟
- ج۔ اسلامی اصطلاح میں روزے کا مفہوم کیا ہے؟
- د۔ حج واجب ہونے کی کون کون سی شرائط ہیں؟
- ه۔ احرام کے کہتے ہیں؟

سوال نمبر 3:

- درج ذیل الفاظ کے مناسب ترین جوابات لکھیں۔
- الف۔ عبادت کے لفظی معنی ہیں:
- (i) دعا مانگنا (ii) نماز پڑھنا (iii) تلاوت کرنا (iv) بندگی کرنا
- ب۔ نماز میں سستی کو کہا گیا ہے:
- (i) منافقت کی علامت (ii) پے در پے کی علامت (iii) کفر کی علامت (iv) ایمان کی علامت

(ج) قرآن میں بار بار نماز کے ساتھ کس عمل کا ذکر آتا ہے؟

(i) حج (ii) صدقہ (iii) زکوٰۃ (iv) ایمان

(د) حج کے دوران وقوف عرفات سے مراد ہے؟

(i) دس ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا (ii) سستی کرنا

(iii) 9 ذوالحجہ کو عرفات میں ٹھہرنا (iv) طواف کرنا

(و) چاندی کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہے؟

(i) 53 تولے (ii) 52 تولے (iii) $52\frac{1}{2}$ تولے (iv) 51 تولے

سوال نمبر 4:

- خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پُر کریں۔
- (i) زکوٰۃ کے لفظی معنی مَصْرُوع ہیں۔
- (ii) طواف کعبہ جمعہ القود سے شروع ہوتا ہے۔
- (iii) روزہ ھ ہجری میں فرض ہوا۔
- (iv) نماز کا فرد صلوات کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔

سرگرمی

معلم / معلمہ طلبہ / طالبات کو دو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک گروپ کو مالی عبادات اور دوسرے گروپ کو بدنی عبادات پر چارٹ تیار کروا کر اس کی وضاحت کروائے۔

یہ کتابیں اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل اور زندگی کے معاملات میں ضروری رہنمائی سے بھرپور تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کے ماننے والوں نے خود ان کتابوں میں تحریف کر ڈالی اور اپنی طرف سے کچھ باتیں ان میں ملا دیں۔ اب وہ کتابیں خالص کلام الہی باقی نہیں رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور لوگوں کی باتوں سے ملی جلی ہیں، جن میں امتیاز کرنا ممکن نہ رہا اس لیے وہ اب قابل عمل نہ رہیں اب عمل صرف قرآن مجید پر ہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اس کا خالص کلام ہے کیونکہ یہ واحد آسمانی کتاب ہے جو آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ و موجود ہے۔

حتم نبوت اور اس کے خصائص:

﴿ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی یہ دعویٰ اور اعلان کیا کہ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کو ایک آنے والے عظیم نبی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دیتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آنے والے کی بشارت دینے کی بجائے آئندہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو کذاب، یعنی سب سے بڑا جھوٹا قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نبوت ختم ہونے کا اعلان انسانیت پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اب کوئی کسی مادراء الحواس، ہستی یا ذریعے کے حوالے سے اپنی بات یا شخصیت کو لوگوں پر نہیں تھوپ سکتا۔ اب ہر ایک کو عقل کی مدد سے آخری وحی الہی کی روشنی میں چلنا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین مکمل ہو گیا، وہی ”دین اسلام“ جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تک تمام انبیاء اور رسول پیش کرتے رہے۔ اب وہ اپنی آخری شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انسانوں کو دیا گیا۔
قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ دِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

(سورۃ احزاب: آیت 40)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

قرآن مجید کی منتخب آیات کی روشنی میں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف درخشاں پہلوؤں کا مطالعہ کر سکیں
نیز اولین مسلم معاشرے کے رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کے سدھارنے کی تدبیر کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کئی نبی اور رسول بھیجے ہیں اور ہر نبی اور رسول نے دعوتِ توحید کے ساتھ اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔ رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے: ”ان کے تمام دعوؤں، وعدوں اور تعلیمات کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرنا“۔ یہ امر توجہ طلب ہے کہ اگر رسول کی کسی ایک بات کو بھی سچ نہ مانا تو یہ بھی اس کی تکذیب کی ہی ایک صورت ہے۔

ہر نبی یا رسول کے ماننے والے اپنے زمانے کے مسلمان اور تکذیب و انکار کرنے والے ہی اس زمانے کے کافر ہوتے تھے۔ یعنی نبی یا رسول کے لیے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرنا ضروری ہے اور یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں ہوتا۔ اس کے تسلیم کرنے سے ایک نئی امت وجود میں آتی ہے۔ نبوت یا رسالت کے دعویٰ کے بعد اسے ماننے یا نہ ماننے میں کوئی غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ اسلام یا کفر کے دو راستوں کے سوا تیسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بندوں کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی دیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور کا دیا جانا بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ صحیفہ ابراہیم علیہ السلام، صحیفہ موسیٰ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف) کا بھی ذکر ہے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں:

وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

(سنن ابی داؤد: 4254)

ترجمہ: میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا (سنن ابی داؤد: 4254)

”دین اسلام“ کی تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی صورت میں نازل ہوتی رہیں۔ جو کتاب ہدایت و قرآن مجید کی شکل میں باقی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتاب کو حکم الہی نظام حفظ و کتابت کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا محفوظ کر دیا کہ اس کے کسی ایک لفظ بلکہ ایک حرف کے طریق الملاء و تلفظ تک میں ذرا بھر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اس کتاب کی حفاظت کا یہ انتظام اور نظام ”خطانا آشنا“ (Foolproof) ہے کہ آئندہ بھی کسی اس میں کوئی تبدیلی ناممکنات میں سے ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معنوں کی بھی یوں حفاظت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے ایک ایک حکم پر خود غل کر کے اور نظام حیات میں پورا ”دین اسلام“ برپا کر کے دنیا کو دکھایا۔ قرآن مجید کے معنی اور مطلب کی اس عملی تعبیر کا مکمل ریکارڈ سنت کی صورت میں موجود ہے۔ سیرت اور حدیث کی ساری کتابیں اسی ”سنت رسول“ کا بیان ہیں۔ دین کے مکمل ہو جانے اور دین کی اصل تعلیمات کے تحریف سے محفوظ ہو جانے میں بھی اسی بات کا اشارہ ہے کہ اب مزید کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم یا ملک کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انسانوں اور پوری دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہمہ گیر بھی ہے اور عالم گیر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت بھی محفوظ کر دی گئی۔ کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات میں راہنمائی موجود نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اتنی متنوع اور جامع تھی کہ نہ صرف حکومت اور سیاست، تجارت اور معاشرت، زہد اور عبادت، فصاحت اور خطابت، قانون اور عدالت اور انقلابی اور حربی رہنمائی بلکہ تعلیم و تربیت تک ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اسوۂ حسنہ یا کامل نمونہ نظر آتے ہیں۔ ہر مسلمان فخر سے سراٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ اسے زندگی کے کسی بھی مسئلے میں راہنمائی کے لیے کسی اور فلسفے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہادی، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہر معاملے میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی راہنمائی کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کے مطابق چلنے میں فلاح اور آپ کی راہنمائی سے انحراف ہلاکت کی راہ ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کی صحیح نوعیت معلوم ہونی چاہیے۔ کہنے کو تو کئی اور بھی اہم اپنے انبیاء کی نام لیا ہیں مگر حالت یہ ہے کہ تو حیدر جیسی بنیادی چیز کو ترک کر کے آخرت کو بالکل بھول چکی ہیں قرآن و سنت میں ہمیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کو سمجھنے اور اسے ہمیشہ درست رکھنے کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دعویٰ اور تعلیمات کی سچائی پر یقین رکھنا اور اس کا اعلان کرنا۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا، آپ کا حکم بجالانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فیصلہ کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونے کو اپنانے میں فخر محسوس کرنا۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کرنا۔ اپنے تمام مفادات اور اپنی تمام خواہشات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے تابع کرنا اور اس کو محبت کا مظہر اور معیار بنانا۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے زیادہ ادب و احترام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور جلال کے احساس سے ہمیشہ تواضع اور انکساری سے رہنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ سی نافرمانی اور خلاف ورزی سے بھی ہر وقت بچتے رہنا۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام امت یعنی تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کے مسائل میں اضافے کا سبب نہ بننا۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے بھیلانا۔ تبلیغ دین سے غافل یا بے تعلق نہ رہنا۔

محبت و اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے پہنچایا۔ یہ پیغام ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔ ہمارے نبی نے نہ صرف یہ پیغام ہم تک پہنچایا بلکہ ایک ایک حکم پر عمل کر کے بھی ہمیں دکھایا اور ہمیں تفصیل سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات سمجھائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری محبت کے مستحق ہیں۔ آپ کی ذاتِ بَرَکات کے طفیل ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، دولتِ دین اور اللہ کی پہچان میسر آئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا، جو کچھ کیا وہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور جو بات بھی زبان سے نکلی وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی۔ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی نبی کے پاس اتنے واضح احکامات نہیں تھے جو قیامت تک ہماری راہنمائی کر سکیں، جبکہ اسلام کے احکام رقی دنیا تک ہیں اس لیے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت ضروری

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ۳۱)

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔“

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ (آل عمران ۳۲)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا اور اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَصَاغَ اللَّهُ (النساء ۸۰)

جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

اور جو اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکار کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو نہ ماننا، اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ ماننا ہے۔ چنانچہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخْلِقُوا فِئَافًا شَبِيرًا يُتَنَبَّهَهُمْ ثُمَّ لَا يَظُنُّوا فِي السَّبِيلِ

حَرَاجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّدُوا أَفْئِدَةً (النساء ۸۳)

”تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے دل نہ نکھڑیں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم لکھا کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو واضح کیا اور بتایا کہ ہمارے تمام جھگڑوں کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو میرے حکم کے تابع نہ

کر دے۔“ (شرح السنہ 213/1: السنہ لابن ابی عامر ص 12)

اور اطاعت کی یہ شرط ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہی نہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے۔ ارشاد ہے:

”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اپنی اولاد، اور دنیا کے تمام

لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (مشکوٰۃ علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، ”ہمیں یہودیوں کی کچھ باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، آپ کی کیا رائے ہے، کیا ان میں سے کچھ ہم سیکھ لیں؟“ آپ نے فرمایا، ”کیا تم بھی گمراہی کے گڑھے میں گرنا چاہتے ہو؟ جیسے یہود و نصاریٰ اپنی کتاب کو چھوڑ کر گڑھے میں گر گئے تھے۔ میں تمہارے پاس وہ شریعت لے کر آیا ہوں جو سورج کی طرح روشن اور آئینے کی طرح صاف ہے۔ اگر موی آج بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اطاعت کرنا پڑتی۔“ (شرح السنہ 270/1: رقم 126)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب (اچھی) ہے۔“

★ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہی گناہوں کی معافی سے لے کر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت تک کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

★ اتباع و اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہر نعرہ کھوکھلا اور ہر عمل بیکار ہے۔

★ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح حکم کے بعد ایک مسلمان کے لیے قہقہے کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اس میں اپنی پسند، ناپسند کو داخل کرنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی

کھلی خلاف ورزی اور صریح گمراہی ہے۔

☆ اصل تقویٰ یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام کرنے کا حکم دیا ہے وہ ضرور کیا جائے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے۔ اس سے باز رہا جائے۔ اس حکم کی خلاف ورزی سے آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ سزا مجرم قرار پاتا ہے۔

☆ مسلمانوں کو اپنے مقدمات اور تنازعات کتاب و سنت کی روشنی میں طے کرنے چاہئیں۔

☆ شریعت کے تمام احکام اور آپ کے تمام فیصلے کسی دینی تحفظ کے بغیر دلی رضامندی سے قبول کرنے چاہئیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کو ادنیٰ سی بھی تنگی محسوس کیے بغیر رضا و رغبت قبول کرنا ہی ایمان کا مطلوبہ معیار ہے۔

☆ ہر معاملے میں اپنے فیصلے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرنا چاہیے اور پھر صرف اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام کرنا چاہیے اور کسی بھی قول و فعل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کا ذرا سا بھی پہلو نہیں نکھٹنا چاہیے ﴿۱﴾

اسوۃ حسنہ

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور انسانیت کے لیے بالعموم مفید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۃ حسنہ سب انسانوں کے لیے ایسی روشنی مہیا کرتا ہے جس کی رہنمائی میں انسانیت سفر دنیا و آخرت بخیر و خوبی طے کر سکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کی سیرت نہ تو محفوظ ہے اور نہ مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کوئی شخص جذباتی مسئلہ نہیں بلکہ انسان کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں چند اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ واحد اسوۃ کامل:

جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے ان میں سے کسی کی مکمل سیرت اس وقت دستیاب نہیں اور جو ناقص روایات دستیاب ہیں وہ بھی مستند نہیں۔ اس لیے یہ غیر مستند اور نامکمل سیرت ہمارے لیے راہنمائی کا سامان مہیا نہیں کرتی۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت واحد سیرت ہے جو دنیا میں محفوظ اور ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: ۲۱)

”بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی تمہارے لیے مکمل نمونہ ہے۔“

۲۔ تعمیر سیرت:

ہر انسان کے لیے تعمیر سیرت بہت ضروری ہے اور اس کے لیے ہر انسان کو سیرت نبوی کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تعلیمات پر بطور نمونہ عمل کر کے دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پڑھ کر انسان کے کردار سے خرابیاں دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ اچھائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عرب کے جاہل معاشرے میں قرآن اور سیرت نبوی نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔

۳۔ اثر انگیزی:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں بلا کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے۔ بعض اوقات قوی ترغیب سے زیادہ ذات کا عملی نمونہ انسان کے دل و دماغ کو بدل دیتا ہے اور انسان سیرت کی اثر انگیزی کے اثر سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بے شمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور امانت و دیانت کی وجہ سے دامن اسلام میں داخل ہوئے۔ اس طرح اشاعت اسلام میں سیرت کی اثر انگیزی نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

۴۔ اصلاح اخلاق:

جب تک انسان کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا نہ ہو جائے تو انسان کی اصلاح کا انحصار صرف حکومتی قوانین کے خوف پر نہیں ہو سکتا لہذا سب سے ضروری اصلاح اخلاق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ انسان کو اخلاقی حنہ اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سراپا اخلاق حسنہ ہے۔ اس کے مطالعے سے بیشمار لوگوں کے اخلاق درست ہوئے اور ان کا رویہ بدل گیا۔

۵۔ پیروی کے لیے:

سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا (ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿۲﴾ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ﴿۱﴾ (النساء: ۸۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں، لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کریں، اس سے رک جاؤ۔“
(الحشر: ۷)

اس کے علاوہ ایک اور مقام پر فرمایا:

”بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔“

(الاحزاب: ۲۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل پیروی کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔
مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اس طرح نماز پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔“ (بخاری)

اس لیے سیرت کے مطالعہ کے بغیر قرآن پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین اور معمولات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جب ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے تو ہمیں بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب ہوگی۔

۶۔ مستند سیرت:

۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مستند حیثیت رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی اس کا کافی سارا تحریری سرمایہ جمع ہو گیا تھا اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی صدی ہجری میں ہی سیرت النبی پر کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے واقعات بھی سلسلہ سند رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک راوی دوسرے سے روایت کرتا ہے اور یہ سلسلہ صحابہ کرام تک جا پہنچتا ہے۔ اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار کے چشم دید گواہ ہیں تو اس طرح کوئی شخص اپنی مرضی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک وہ اپنے سلسلہ سند کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچا دے۔

۵) قرآن کی عملی تشریح:

قرآن مجید میں اصولی احکامات دیے گئے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کا طریقہ اور نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ قرآن مجید کی تشریح اور اس کی تعلیمات کا تسلسل

ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“ (آل عمران: ۵۲)

(النساء: ۸۰)

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ ”زکوٰۃ ادا کرو۔“ اب زکوٰۃ کا ایک پورا نظام ہے جس کے بارے میں بے شمار تفصیلات کی ضرورت ہے اور یہ تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے ہی ہمیں ملتی ہیں کہ زکوٰۃ کا وقت ادا کبھی، مختلف اموال پر مقدار زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کیا ہے؟ اس لیے سیرت نبی دراصل قرآن مجید کی عملی تشریح ہے۔ اس کے بغیر قرآن پاک پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراضات کا جواب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کوئی عام شخصیت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصوویت پر ہی اسلام کا انحصار ہے۔ آپ کی اطاعت اور محبت ہی ہماری کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔ مستشرقین (مغرب سے تعلق رکھنے والے مشرقی علوم کے دعویداروں) نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو داغ دار کر دیا جائے۔ اس لیے جب تک مطالعہ سیرت نہ ہو انسان گمراہ ہو سکتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت سے متنفر ہو سکتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا تحفظ اور ان کے اعتراضات کا جواب دینا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ آج بھی مغربی تہذیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید پر حملہ آور ہے۔ ان کا شافی جواب دینا مطالعہ سیرت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۹۔ سرچشمہ ہدایت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پوری انسانیت کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اس لیے عمل کر کے دکھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”ان کا اخلاق قرآن تھا۔“ اس لیے مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ایک ایک گوشے پر تحقیق کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر عمل کر سکیں۔

۱۰۔ مسلمانوں کی کثرت:

آج مسیحیت کے بعد اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ جس کے ماننے والوں کی تعداد سو ارب سے زیادہ ہے۔ اس طرح یہ دنیا کے چوتھائی انسانوں کا مذہب ہے۔ مسلمانوں کے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بہت ضروری ہے کیونکہ ان کی سیرت ان کے ایمان و عمل کا حصہ ہے جس کے راہنمائی کے بغیر وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔

۱۱۔ ہر دور کے مسائل کا حل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہر دور کے مسائل کا حل ہے اس لیے اس پر تحقیقی عمل جاری رہے گا اور اس کے مختلف گوشے سامنے آتے رہیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مختلف زاویوں سے جائزہ لینا بہت ضروری ہے تاکہ وقت کی ضرورت کے مطابق اس میں سے ہر دور کے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اس لیے قرآن مجید اور سیرت النبی کے حسین استخراج سے ہی آج کے دور کے مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج انسانیت کی مشکلات کے حل کا کوئی رستہ نہیں۔

۱۲۔ صراطِ مستقیم:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی سیرت ایسی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ایک تو وہ مستند نہیں دوسری نامکمل ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جیسی نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں معنویت، روشنی، چاشنی، اثر انگیزی اور مسائل انسانیت کے حل کی صلاحیت موجود ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطالعے سے نہ صرف خود فائدہ اٹھانا چاہیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس روشنی کو عام کرنا چاہیے۔

۱۳۔ وقار انسانیت:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت انسانوں کے وقار کی علامت ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ اور فرمانبردار بن کر کس طرح پر وقار زندگی بسر کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کو صرف اور صرف خدا کے سامنے جھکنے کے علاوہ کسی بھی انسان اور شجر و حجر کے آگے جھکنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس پیغام ”بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی“ (سورۃ الاسراء: آیت 70) کو عام کیا۔

۱۴۔ روحانی غذا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت روح کی غذا اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ آج انسانی دنیا پریشان اور بہت ساری

نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔ یہ پریشان انسان دوسرے انسانوں کو بھیڑیوں کی طرح تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ افغانستان، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا میں بربادی کا یہ کھیل جاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ہی ہماری اس شقاوت قلبی کا علاج اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اخلاقی بیماریوں کا تریاق بن سکتا ہے۔



سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب دیں۔

الف۔ ختم نبوت پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

ب۔ محبت و اتباع کا محور کس کی ذات ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیجئے۔

ج۔ ”بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے“ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کیجئے۔

د۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا نجات اور فلاح کا ضامن ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ اسوۂ حسنہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ ختم نبوت سے متعلق کوئی آیت بمعہ ترجمہ لکھیں۔

ج۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں کیا فرمایا؟

د۔ پہلی صدی ہجری میں کس نے سیرت پر کتاب لکھی؟

و۔ قرآن مجید کی عملی تشریح کس کو کہا جاتا ہے؟

ز۔ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی ایک آیت کا ترجمہ تحریر کریں۔

ح۔ ”کذاب“ کسے کہتے ہیں؟

ط۔ صحابہ ابراہیم سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر 3۔ مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے خالی جگہیں پر کریں۔

الف۔ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی محمد ﷺ ہے۔

قرآنی آیات (ترجمہ و تشریح)

باب
چہارم

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- ۱۔ قرآن مجید کی منتخب آیات کی روشنی میں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف درخشاں پہلوؤں کا مطالعہ کر سکیں اور اولین مسلم معاشرے کی رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کے سدھارنے کی تدبیر کر سکیں۔
- ۲۔ قرآن مجید کی منتخب آیات و سورتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے قرآن مجید کے لیے اپنے ذوق مطالعہ کو وسعت دیتے ہوئے آیات قرآنی پر غور و فکر کی عادت کو پختہ کر سکیں۔

سورة یٰس: آیت نمبر ۸۱

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِعَدِيدٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ
وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ

ترجمہ:

بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں۔ اور وہ تو سب کچھ پیدا کرنے والا کامل علم والا ہے۔

ب۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ **اُمہ صحابہ** نے لیا ہے۔

ج۔ اسوۂ حسنہ **سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کو کہا جاتا ہے۔

د۔ اس دنیا میں صرف **مفتی محمد رفیع** کی سیرت ہے جو مکمل طور پر محفوظ ہے۔

و۔ حدیث شریف کے مطالعے کے بغیر **قصاص** پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

ز۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی کتاب **بہار** صدی ہجری میں لکھی گئی۔

ح۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو **قرآن** قرار دیا ہے۔

ط۔ دنیا کا دوسرا بڑا مذہب **ہندو** ہے۔

ی۔ بے شمار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور **سیرت** کی وجہ سے دائرۃ اسلام میں داخل ہوئے۔

سوال نمبر 4۔ درج ذیل فقرات میں سے درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

الف۔

عرب کے جاہل معاشرے میں قرآن مجید اور سیرت النبی نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔

ب۔

جس نے **رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** کی اطاعت کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

ج۔

عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیرت پر پہلی کتاب لکھی۔

د۔

اب تک تمام انبیاء کرام کی سیرت محفوظ ہے۔

و۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں تفصیلی معلومات ہمیں قرآن مجید سے ملتی ہیں۔

و۔

اسلام کے ماننے والوں کی تعداد دو ارب سے زائد ہے۔

ز۔

اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔

ح۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اخلاقی بنیادیں کا علاج سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ ہے۔

سرگرمی

معلم! معتمد طلباء! طالبات پر ”سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ کے موضوع پر تقریری مقابلہ کروائے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ بعث بعد الموت کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین جیسی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا جو اس کی قدرت و طاقت کی وسعت کی علامت ہے تو کیا وہ انسانوں کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ زمین اور اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آجائے گا، تو یہ عقل کے خلاف ہے۔ جیسے فرمایا:

”آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے“ (المومن: ۵۷)

یعنی آسمان اور زمین جیسی بڑی مخلوقات کو پیدا کرنا اگر اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے تو انسان جیسی نسبتاً چھوٹی مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا تو یقیناً آسان ہوگا۔

جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے لوگ پیدا کر دے۔ اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ تو ظالم انکار کیے بغیر نہ رہ سکے۔“ (نبی اسرائیل: ۹۹)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دانا، دینا اور ذرے ذرے سے واقف ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کے قبضے قدرت میں ہے۔ ہمیں ہر وقت اس کی بڑائی بیان کرتے رہنا چاہیے۔

آیت نمبر ۸۲:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

ترجمہ:

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

تشریح:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کی خاص طاقت و صفت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ تو جو کرنا چاہتا ہے، اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کو کوئی چیز تیار کرنی ہو تو تیار کرنے سے پہلے اس کے تمام اجزاء کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے تو وہ چیز وجود میں آتی ہے، اگر ان اجزاء میں سے کوئی ایک بھی شے نہ ملے تو انسان خواہ کتنا بھی ماہر ہو، اس چیز کو نہیں بنا سکتا۔ اس کے علاوہ کئی کام ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے بس سے باہر ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ایسی ہے کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو کوئی چیز تیار کرنی ہو تو صرف وہ حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ چیز تیار ہو جاتی ہے۔ انسان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش بھی اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جب پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا صرف حکم ہی کافی ہوتا ہے۔ تو اگر وہ ایک مرتبہ انسان اور دوسری مخلوقات کو صرف اپنے حکم سے پیدا کر سکتا ہے تو دوسری دفعہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل کام ہے۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہی قبضہ قدرت میں ہے۔ دنیا اور اس کائنات کا ہر کام اس کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں قریباً بارہ مقامات پر یہ بات تکرار کے ساتھ آئی ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

مسند احمد کی حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو، مگر جسے میں معاف کر دوں گا۔ تم مجھ سے معافی طلب کرو، میرا وعدہ ہے کہ تمہیں معاف کر دوں گا۔ تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں، میں مہربان ہوں، میں واعد ہوں۔ جو چاہتا ہوں، کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی ایک کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں، کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

سورۃ الشوریٰ: آیت نمبر ۲۳

ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَيِّرُ اللَّهُ عِبَادَہُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ
قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۖ وَمَن يَقْرِضْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيہَا حَسَنًا ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

ترجمہ:

یہی وہ انعام ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنت کے مطابق) نیک عمل کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی، جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور نیکی بڑھادیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت قدر دان ہے۔

تشریح:

اس سے پہلے آیت میں اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے یہاں بیان فرما رہا ہے کہ ایمان دار نیکو کاروں کو جنت کی بشارت ہو۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے قریش کے مشرکین سے کہہ دو کہ میں تبلیغ و دعوت اور وعظ و نصیحت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا۔ البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے اس کا لحاظ کرو۔ اگر تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو تمہاری مرضی، لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو۔ تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کی رکاوٹ تو نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش سے کہا میں تم سے اس کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو مجھ میں اور تم میں ہے۔ میری اس قرابت کا حق جو تم پر ہے وہ ادا کرو۔ مسجد احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو دلیلیں دی ہیں اور جس ہدایت کا رستہ بتایا ہے اس پر کوئی اجرت تم سے نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چاہے لگو اور اس کی اطاعت کی وجہ سے اس کا قرب اور نزدیکی حاصل کر لو۔

ابن جریر میں ہے کہ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل مدینہ نے فخر کے طور پر اپنی خدمات اسلام کو انہیں۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تم سے افضل ہیں۔ جب یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مجلس میں آئے اور فرمایا کہ اے انصار! کیا تم ذلت میں نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے عزت بخشی۔ انہوں نے کہا کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت بخشی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم مجھے کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا کہ کیا کہیں؟ فرمایا کیوں نہیں کہتے کہ کیا تیری قوم نے تجھے نکال نہیں دیا تھا؟ اس وقت ہم نے تجھے پناہ دی کیا انہوں نے تجھے جھٹلایا نہ تھا؟ اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی۔ کیا انہوں نے تجھے پست کرنا نہیں چاہا تھا؟ اس وقت ہم نے تمہاری مدد کی۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اور بھی بہت سی باتیں کہیں یہاں تک کہ انصار اپنے گھٹنوں پر جھک پڑے اور انہوں نے کہا حضور! ہماری اولاد اور ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے، اس کو قائم رکھو۔ (صحیح بخاری)

سورۃ فتح: آیت نمبر ۲۸

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

ترجمہ:

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی کتاب اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور حق ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

تشریح:

اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کبریائی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ مقام اور منصب عالی کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں منصب رسالت پر فائز کرنے والا میں ہوں؛ میں نے ہی نبی کریم کو کتاب ہدایت عطا فرمائی ہے۔ جس کے مقدر میں اس عظمت کدہ کو منور کرنا ہے۔ میں نے اس کو ایسا جامع نظام حیات اور شریعت دے کر مبعوث فرمایا ہے جو بے حال انسانیت کے لیے پیغام بہار ہے۔ جس کو میں نے اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا ہے، کوئی طاقت اس کو اس شرف سے محروم نہیں کر سکتی۔ چاہے ساری دنیا انکار کر دے مگر اس کی عظمت کا ماہی تمام چمکا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اس دین کو تمام مرد و عبادیان، مذہب اور نظام ہائے حیات پر غلبہ بخشنے گا۔ اس وعدہ کو پورا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عہد رسالت میں ہی اسلام کا پرچم مکہ پر لہرانے لگا جو کفر و شرک کا گڑھ تھا۔ خلافت راشدہ میں ایشیا اور افریقہ کے بڑے عقلمندوں میں اس کی عظمت کے ڈکے بجنے لگے۔ شرق و غرب میں کھڑے توحید کی صدا گونجنے لگیں۔ غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ یا لوگ اس کو قبول کر لیں گے یا اس کی برتری کو تسلیم کر لیں گے۔ مسلمانوں کے

دور انحطاط میں بھی نظر و فکر کے میدانوں میں اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔

آخر میں فرمایا کہ میں اپنے رسول کی رسالت کا بھی گواہ ہوں اور اس حقیقت کا بھی گواہ ہوں کہ وہ کتاب ہدایت اور رحمت لے کر لایا ہے اور اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ یہ دین سب ادیان پر غالب آ جائے گا۔ اور میری گواہی کے بعد ان سچائیوں کو ثابت کرنے کے لیے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

آیت نمبر ۲۹:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا
مُجِدَّاتٍ يَتَتَّبِعُونَ فُضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ
ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْطَهُ فَازْرَعَهُ
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوَابِهِ يَعْجِبُ الزَّرَّاعُ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

ترجمہ:

محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم
دل۔ اے دیکھنے والے تو ان کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے سر سمجھو ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر
رہے ہیں۔ کثرتِ سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی انجیل میں۔
وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی پھر اپنے تئیں پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور گئی
کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ تعالیٰ نے
گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کے
برحق رسول ہیں پھر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی صفت بیان ہو رہی ہے جیسے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”مومنوں کے سامنے نرم کفار کے مقابلہ میں سخت“ (المائدہ: 54)

ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہیے کہ وہ مومنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش
رہے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ”ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو اور چاہیے وہ تم میں سختی محسوس کریں“ (التوبہ: آیت 23)

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں مومن، مومن کے لیے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت
پہنچاتا اور مضبوط بناتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملا کر بتائیں۔ پھر ان کا ایک
اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں، خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ ہے پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے
والی چیز کا بیان یعنی ان کے خلوص اور رضائے الہی کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے مستلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ
سے چاہتے ہیں، جو جنت ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑی چیز
ہے۔ جیسے فرمایا:

ترجمہ: ”اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے یہی بڑی کامیابی ہے“۔ (روضوان من اللہ اکبر التوبہ: آیت 72)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے علامات ظاہر ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا نہ کہو، ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری
جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تئیں پاؤں تاج بلکہ ڈیڑھ پاؤں تاج کے برابر کو بھی نہیں پاسکتا۔ (صحیح مسلم)

سورۃ الحجرات: آیت نمبر ۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

ترجمہ:

مومنو! کسی بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے
رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے جانتا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مخاطب کر کے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی توقیر و احترام اور ان کی عزت کا خیال کرنا چاہیے اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے رہنا چاہیے۔ اتباع اور تابعداری کی عادت ڈالنی چاہیے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ؟ جواب دیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ جواب دیا کہ اجتہاد کروں گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول خوش ہو۔

آیت نمبر ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

ترجمہ:

اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ادب سکھایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں۔ روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابی بن مہلک سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ وہ بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان دونوں کی آوازیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے بلند ہو گئیں جبکہ بتوہم کا وفد حاضر ہوا تھا ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنانے کا کہتے تھے جو بنی جاشع میں سے تھے اور دوسرے، دوسرے شخص کی بابت کہتے

تھے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم تو میرا خلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمائیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دو بارہ پوچھنا پڑتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے قحطار بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وفد کا امیر بنائیے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ نہیں بلکہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اس اختلاف میں کچھ آوازیں بلند ہو گئیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! قسم اللہ تعالیٰ کی اب میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میں اس کی بابت آپ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ جواب ملا برا حال ہے، میں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کیا کرتا تھا، میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئے اور سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کہہ سنایا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ تو جہنمی نہیں جتنی ہے۔

اس آیت مبارکہ اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے بے ادب لوگ اپنے ایمان کی فکر کریں کیونکہ خلیل اللہ صحابہ کرام صرف اونچا بولنے کی وجہ سے پریشان تھے۔

آیت نمبر ۳

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دہلی آواز میں بولنے والوں کے صلہ کے بارے میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مخصوص کی کچھ بلند آوازیں مسجد نبوی میں سن کر وہاں آکر ان سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ طائف کے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔

علماء کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنا منع تھا اس لیے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں قاطبی احترام و عزت تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں بھی باعزت اور قاطبی احترام ہی ہیں۔ جس طرح تمام لوگ ایک دوسرے سے با آواز بلند باتیں کرتے ہیں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تسکین و وقار، عزت و ادب، حرمت و عظمت سے باتیں کرنا چاہئیں۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ”اے مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔“ (النور: ۶۳)

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلند آوازی سے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور تمہارے کل اعمال ضبط کر لے اور تمہیں اسکا پتہ بھی نہ ملے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آجاتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی تو کوئی وقعت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ اس ایک کلمہ کی وجہ سے اسے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جس کا گڑھا آسمان و زمین سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں دھبی کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خاص کر لیا ہے، اہل تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔

آیت نمبر ۴-۵:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا
حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ:

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ سہمہ کیے رہتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تربیت کرتا ہے جو عرب دستور کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکانوں کے پیچھے سے آوازیں دے کر پکارتے تھے۔ تو فرمایا کہ ایسا کرنے والوں میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان سے باہر نکلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کہنا ہوتا، کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دین اور دنیا کی بہتری اور مصلحت اسی میں تھی۔

پھر گویا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ و استغفار کرنا چاہیے کیونکہ خدا بخشنے والا، مہربان ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو، اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پردوں تلے مل جائیں گے، میں نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنے لگے، اس پر یہ آیت اتری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی، اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔

سورة الحشر: آیت نمبر ۲۲:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے اور نہ اس کے سوا کسی کی ایسی نشانیاں ہیں کہ اس کی اس قسم کی کوئی عبادت کرے، اس کے سوا جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہ ہر چیز کے متعلق جانتا ہے، خواہ وہ چھپی ہوئی ہو یا ظاہر۔ اللہ تعالیٰ ذہنوں میں ابھرنے والے خیالات اور دلوں کے بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے۔ وہ ہر وقت، ہر کسی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ کوئی کام چاہے کتنا بھی چھپ کر کیا جائے، اس ذات باری تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم بھی ہے، وہ کسی کے بھید و دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا۔ وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے، جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم پر پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں، خواہ آسمان میں ہوں خواہ زمین میں ہوں، خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہوں، یہاں تک کہ آندھیوں کے ذرے بھی اس پر عیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہونے کے اور اپنے بندوں کے تمام بھید جاننے کے باوجود انہیں کسی پر عیاں نہیں کرتا وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے کہ اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے، وہ دنیا اور آخرت میں رحمت بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے کہ:

ترجمہ: ”میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے۔“ (اعراف: آیت 156)

ایک اور جگہ فرما ہے۔

ترجمہ: ”تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت فرمانا لازم کر لیا ہے۔“ (انعام: آیت 54)

اور فرمان ہے۔

ترجمہ: ”کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ ہی خوش ہو جانا چاہیے تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے۔“ (یونس: آیت 58)

آیت نمبر ۲۳:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ
الْمَجِيدُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ حقیقی ہر عیب سے پاک سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑا ہی والا۔ اللہ تعالیٰ شرکوں کے شرک سے پاک ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف معنائی نام بیان کیے ہیں اور اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی ان اوصاف والا نہیں، تمام چیزوں کا تہا وہی مالک و مختار ہے، سب پر قبضہ اور تصرف رکھنے والا بھی وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی مدافعت یا مزاحمت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے، وہ قدوس ہے یعنی ظاہر ہے، مبارک ہے، ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے، تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح و تقدیس میں علی الدوام مشغول ہے۔ کل عیبوں اور نقصانوں سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصانات سے پاک ہے، وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی قسم کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو، اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے؛ سب کو امن دے رکھا ہے۔ اپنے ایمان دار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ تمکین ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے اعمال کا ہر وقت یکساں طور پر شاہد ہے اور نگہبان ہے۔ تمکین کے مختلف معنائی بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کا نگہبان ہے اور سب کی حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے کا ذمہ لیا ہے، تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر ذی روح کو دیکھ رہا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ تمکین سے مجموعی طور پر یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگرانی، نگہبانی اور حفاظت کر رہا ہے اور کائنات کے تمام جانداروں کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ اس نے لے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑی طاقت ہے اور وہ ایسی زبردست ہستی ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی سر نہیں اٹھا سکتا اور اس کے فیصلوں کی مزاحمت کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ وہ عظیم الشان طاقت اور قدرت رکھنے والا ہے، کوئی اس کے سامنے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ اس

کے ارادے سے اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ وہی سب سے بڑا ہے، باقی سب اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو بلند شان اور عظمت والا ہے۔

آیت نمبر ۲۴

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

ترجمہ:

وہی اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق۔ ایجاد و اختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان و عظمت اور کبریائی کے بارے میں بتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی ہے جو اس کائنات کی ہر چیز کو وجود میں لاتا ہے۔ ان میں انسان و حیوان کے علاوہ نباتات و جمادات شامل ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہی قدرتِ کاملہ ہے کہ وہ اپنے ایک ہی حکم سے ہر چیز کو پیدا فرما دیتا ہے۔ اس نے ہر چیز کو بہترین صورت عطا کی ہے اور بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس کائنات کی کوئی بھی چیز فالتو اور فضول نہیں ہے۔ نیز کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور پاکی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بڑائی بیان کرتی ہے۔ اس عمل میں صرف جاندار ہی شامل نہیں بلکہ نباتات و جمادات بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام ہیں جن میں سے درج ذیل ننانوے نام زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں شاکر کے یاد رکھے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ نام یہ ہیں۔

الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهِيمُنُ، الْعَزِيزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَكَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ، الْغَفَّارُ، الْقَهَّارُ، الْوَهَّابُ، الرَّزَّاقُ، الْفَتَّاحُ، الْعَلِيمُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الْخَافِضُ، الرَّافِعُ، الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ، السَّمِيعُ، الْبَصِيرُ، الْحَكَمُ، الْعَدْلُ، الْلطِيفُ، الْخَبِيرُ، الْحَلِيمُ، الْعَظِيمُ، الْغَفُورُ، الشَّكُورُ، الْعَلِيُّ،

الْكَبِيرُ، الْخَفِيفُ، الْمُثْقِلُ، الْحَسِيبُ، الْجَلِيلُ، الْكَرِيمُ، الرَّقِيبُ، الْمُجِيبُ، الْوَاسِعُ، الْحَكِيمُ، الْوَدُودُ، الْمَجِيدُ، الْبَاسِطُ، الشَّهِيدُ، الْحَقُّ، الْوَكِيلُ، الْقَوِيُّ، الْمُتَيْنُ، الْوَلِيُّ، الْحَمِيدُ، الْمُحْصِي، الْمُبْدِي، الْمُعِيدُ، الْمُخَيُّ، الْمُؤْمِتُ، الْخَيُّ، الْقَيُّومُ، الْوَاحِدُ، الْمَاجِدُ، الْوَاحِدُ، الصَّمَدُ، الْقَادِرُ، الْمُقْتَدِرُ، الْمُقَدِّمُ، الْمُؤَخَّرُ، الْأَوَّلُ، الْآخِرُ، الظَّاهِرُ، الْبَاطِنُ، الْوَالِي، الْمُتَعَالِ، الْأَبَرُ، التَّوَّابُ، الْمُتَنَبِّهُ، الْغَفُورُ، الرَّؤُوفُ، مَالِكُ الْمُلْكِ، ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، الْمُقْسِطُ، الْجَامِعُ، الْغَنِيُّ، الْمُغْنِي، الْمَنَاعُ، الضَّارُّ، النَّافِعُ، الْتَّوَرُ، الْهَادِي، الْبَدِيعُ، الْبَاقِي، الْوَارِثُ، الرَّشِيدُ، الصَّبُورُ. (مشکوٰۃ)

سورة التَّوْحِيدِ: آیت نمبر ۲ اور ۳:

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۗ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

ترجمہ:

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اسی کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ حمد و ثناء کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، ہر چیز پر اس کی حکومت ہے اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ لائق تعریف ہے، وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے پورا کرنے کی طاقت و قدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز نہ اسے کام کرنے سے روک سکتی ہے اور نہ مزاحمت کر سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہی تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ پھر بھی بعض انسان کافر ہوئے اور بعض مومن۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحقِ ہدایت کون ہے اور مستحقِ ضلالت کون۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

آیت نمبر ۳ اور ۴:

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُبَيِّرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ

ترجمہ:

اسی نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی اچھی بنائیں اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلم کھلا کرتے ہو اس سے بھی آگاہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔

تشریح:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور انسانوں کی پیدائش کے متعلق بیان کیا ہے۔ اسی نے عدل و حکمت کے ساتھ آسمان و زمین کی پیدائش کی ہے۔ اسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ”اے انسان! تمہیں کس چیز نے تیرے رب کریم سے غافل کر دیا، اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔“ (الانفطار: ۶۱ تا ۷۱)

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بہترین صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں، آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، آسمان و زمین اور ہر نفس اور کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ (المومن: ۶۳)

سورۃ الکوتر: آیت نمبر ۱:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ

ترجمہ:

اے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کثر یعنی بہت زیادہ بھلائی عطا فرمائی ہے۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان و عظمت بیان کرتے ہیں اور اس خاص انعام و اکرام کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے کسی اور نبی کو نوازا گیا۔ فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کثر عطا فرمایا۔ کثر کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیرؒ نے ”غیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو عطا کی جائے گی۔ اس طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتایا گیا ہے، جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل پانی پئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آرہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رفیع و اعلیٰ مقام، ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں ”غیر کثیر“ میں آجاتی ہیں۔

آیت نمبر ۲:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

ترجمہ:

تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کر واد قربانی کیا کرو۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ”کثر“ کے انعام و اکرام سے نوازا ہے تو اس کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے پروردگار کے حضور نماز اور قربانی ادا کرو۔ یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کے آگے جھکنا اور نہ نیاز مانگنا۔

”نحر“ کے اصل معنی ہیں اونٹ کے حلق میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری بھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر مٹی میں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

آیت نمبر ۳

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

ترجمہ:

کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن بے نام رہے گا۔

تشریح:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں کے فخر اور تلخ جملوں کا جواب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دشمن بے نسل ہوگا یعنی اس کی نسل آگے نہیں بڑھے گی اور وہ بے نام و نشان رہے گا۔

ابو ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا اس کا کوئی نام یوں باقی نہ رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد نیزہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ابتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تسلی دی کہ ابتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسل کو باقی رکھا گو کہ اس کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی کی طرف سے ہی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی امت بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد مستوی ہی ہے، جس کی کثرت پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر نہیں۔



سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب دیں۔

الف۔

بعث بعد الموت پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

ب۔

نیکو کاروں کے لیے کیا بدلہ ہے؟ قرآنی آیت کی روشنی میں بیان کریں۔

ج۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہدایت کی کتاب اور دین حق دے کر مبعوث کیا۔ وضاحت کریں۔

د۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ کے آداب کے بارے میں کیا نصیحت کی ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔

عالم الغیب سے کیا مراد ہے؟

ب۔

آداب نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے متعلق کوئی آیت بمعبر ترجمہ لکھیں۔

ج۔

کوئی سے دس اسماء الحسنی تحریر کریں۔

د۔

کوثر سے کیا مراد ہے؟

و۔

مؤمنین آپس میں کس طرح کا رویہ رکھتے ہیں؟

ز۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پہلے بولنے والوں کا کیا انجام ہوگا؟

ز۔

”ابتر“ کسے کہتے ہیں؟

سرگرمی

معلم / مقلد، طلباء / طالبات کے درمیان قرآن خوانی (قرأت) کا مقابلہ کروائے۔

باب
پہلے

حدیث و سنت

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:
وہ حدیث کی حفاظت کے اہتمام سے آگاہ ہو سکیں اور علوم حدیث کی ضروری اصطلاحات، مشہور
کتب حدیث کی اہمیت و افادیت اور اصول حدیث کے اساسی قوانین سے باخبر ہو سکیں تاکہ
مجوزہ احادیث کا با اعتماد ترجمہ اور ضروری تشریح کر سکیں۔

1. جمع و تدوین حدیث

قرآن الفاظ و معانی دونوں کے مجموعے کا نام ہے اور حدیث نبوی قرآنی الفاظ کے معانی کا ہی نام ہے۔ قرآن کے معانی کی حفاظت کے بغیر الفاظ قرآنی کی حفاظت بے معنی ہے۔ اس لیے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ قرآنی الفاظ اپنے معانی سمیت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں یعنی قرآن مجید، احادیث نبوی سمیت اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ حدیث کی تدوین کا معاملہ قرآن کی جمع و تدوین کے معاملے سے بہت ہی مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور پر نظر کرنے والا یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ قرآن پہلے محفوظ نہیں تھا یا پھر ان کے زمانے میں محفوظ ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو الفاظ جمع قرآن کے متعلق تھے اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو الفاظ حدیث کی جمع کے متعلق کہے تھے اگر ان دونوں کو پاس پاس رکھیں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں جگہ حفاظت و کتابت اور تدوین کے انتظامات کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب ان کی حفاظت کو خطرہ پیدا ہوا۔ ورنہ قرآن اور حدیث ابتدائی دور میں اہل اسلام کی زندگی کا اس طرح جزو بنے ہوئے تھے کہ ان کی حفاظت کے لیے انہیں کسی اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ جب جنگ یمامہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد شہید ہو جانے کی وجہ سے قرآن کی حفاظت میں خلل پڑنے کا خطرہ محسوس ہونے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ تھے۔

”جب یمامہ میں حفاظ کرام جس طرح شہید ہوئے ہیں۔ خدا نہ کرے اگر کہیں آئندہ اسی طرح حفاظ قتل ہوتے رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے قرآن مجید جمع کرنے کا سرکاری طور پر انتظام کیجئے۔“
اسی طرح حفاظ حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمان لکھا کہ:
”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے لکھ لو کیونکہ مجھے آئندہ علم ہو جائے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔“

آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ تقریباً نوے سال بعد کے ان الفاظ کے پہلو بہ پہلو رکھیں۔ وہاں بھی الہی حفاظت کے وعدہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادہ میں تحریک پیدا کی تھی اور یہاں بھی وہی وعدہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس کام کا سبب بنا۔
جمع و تدوین حدیث سے مراد ہے ”ذخیرہ احادیث کو اکٹھا کرنا اور کتابی شکل دینا۔“ اس کو ہم سہولت کے لیے چار ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔
عہد نبوی میں کتابت و تدوین حدیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ارشادات و اعمال کی حفاظت خاص طور پر ملحوظ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی موقعوں پر تلقین فرمائی کہ جو حاضر ہیں وہ یہ علم دین ان تک پہنچائیں جو غیر حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ دعا فرمائی ”اللہ تعالیٰ اس بندے کا چہرہ باروق رکھے جس نے میری بات سن کر یاد رکھی پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔“ تابعین نے جمع و تدوین تک کی کہ یہ ذخیرہ ہم تک پہنچایا۔

عہد نبوی میں حفاظ حدیث کے دو طریقے تھے، ایک حافظہ اور دوسرا کتابت۔ عرب کے لوگوں کا حافظہ بہت اچھا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حفاظ حدیث کی صورت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ارشاد سن کر یاد رکھنا یا سننے والوں سے پوچھ کر یاد رکھنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فعل اور نمونے کو دیکھنا اور نمونے کے مطابق عمل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا۔ یہی حدیث کی حفاظت کا فطری طریقہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں اکثر و بیشتر زبانی یاد رکھی جاتی تھیں کتابت کا رواج بہت کم تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابت کا رواج عام کر دیا۔ ابتدائے نزول قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور چیز کتابت میں شامل نہ کی جائے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انجمین میں قرآن اور غیر قرآن کا شعور پیدا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔ چنانچہ عہد رسالت میں کتابت حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض احادیث خود لکھوا کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیں اور بعض صحابہ نے اپنے ذاتی استعمال اور یادداشت کے لیے حدیثیں لکھیں۔

★ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مختصر سراسر لکھ کر دیا اس میں ذمیوں کے احکام وغیرہ تھے۔

★ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو صدقات وغیرہ کے متعلق احکام لکھوا کر دیے تھے۔

★ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ ابوشاہ یمنی کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مکمل لکھوا کر حوالہ کیا۔

اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی تاریخی دستاویزات لکھوائیں جن کا ذکر کتاب حدیث میں موجود ہے مثلاً

★ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں اور ایک نقل اپنے پاس رکھی تھی۔

★ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ اس کو حدیث کی کتابوں میں روایت کیا گیا اور جب ان میں سے کئی خطوط دستیاب ہوئے تو اصل اور نقل میں ذرہ برابر فرق

نہ پایا گیا (۳)

خلاصہ یہ کہ اس قسم کی سنکڑوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کا بڑا سرمایہ خود عہد نبوی میں جمع ہو چکا تھا۔

عہد خلفائے راشدین میں کتابت و تدوین حدیث:

جمع و تدوین حدیث کا دوسرا دور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذاتی مجموعے سے شروع ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے درس و تدریس کے ذریعے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کی پیروی کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو دور در تک پہنچایا۔ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حدیث نبوی کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے اور ان میں سے کئی حضرات حدیثوں کو لکھ بھی لیتے تھے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اقوال و افعال کی حفاظت کا اہتمام جس انداز سے کیا اس کے صرف چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

NOT FOR SALE

★ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث تھا جس میں پانچ سو احادیث لکھی ہوئیں تھیں۔

★ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی میان میں احادیث کا ایک مجموعہ تھا جسے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی درخواست پر لکھ کر دکھایا۔

★ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کو ان کے ایک شاگرد ہام بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا تھا۔ یہ مجموعہ صحیفہ ہام بن منبہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔

★ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس مجموعہ احادیث کا نام ”صحیفہ صادقہ“ رکھا ہوا تھا۔ مجاہد تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے دیکھا اور ان کے پوتے عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس موجود رہا۔

★ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مجموعہ احادیث موجود تھا۔ ان چند تحریروں کے علاوہ اور بہت سے نوشتوں کا ثبوت ملتا ہے مگر یہ فصلوں اور بابوں میں منقسم نہ تھے جس سے بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ احادیث کی تدوین صدیوں بعد ہوئی۔

عہد تابعین اور تبع تابعین میں کتابت و تدوین حدیث:

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والے اور اپنے کانوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے والے ختم ہو رہے تھے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان مشاہدات اور سنی ہوئی باتوں کو تحریر کی شکل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد میں سرکاری طور پر حدیث کو باقاعدہ طور پر تحریر کی شکل میں محفوظ کرانے کی ابتداء ہوئی۔ تابعی وہ بزرگ کہلائے جنہیں اسلام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات اور صحبت نصیب ہوئی۔ تابعین حضرات نے اپنے شاگردوں کا جو مقدس گروہ چھوڑا اسے جمع تابعین کہا جاتا ہے۔ احادیث کے یکٹھ سکھانے کے سلسلے میں تابعین کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک پہنچی ہے۔ شیر مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث پڑھنے والوں کی تعداد ۳۵۵ تھی۔ تابعین میں حدیث لکھنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ یہ لوگ ایک ایک صحابی کے گھر جا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں معلوم کرتے اور

NOT FOR SALE

نے تحریر کیا

لکھتے جاتے۔ بس یہی ان کا مقصد حیات اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تدوین حدیث کی تحریک کی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لکھوائی ہوئی حدیث کی کتاب ”الصدوق“ نقل کرا کے تمام علاقوں میں بھیج دی۔ ان کے حکم سے امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک بات کو لکھا۔ انہوں نے اس قدر احادیث جمع کی تھیں کہ اس ذخیرے کو کئی اونٹوں پر لاد کر لائبریری سے لایا گیا۔ متفرق تحریروں اور مسودات کو دوسری صدی کے نصف تک کتاب کی شکل دے دی گئی۔ اس دور میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام بہت ہی نمایاں ہے۔ ان کا مشہور مجموعہ احادیث ”الموطا“ اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دور میں حدیث کے ساتھ سنہ لکھنا شروع کیا گیا یعنی ہر حدیث کے ساتھ یہ بھی لکھا جاتا تھا کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس نے سنی اور اس نے آگے کس کس سے بیان کی۔ اس کے بعد تدوین حدیث عام ہو گئی اس عہد میں حدیث کا علم ایک فن بن گیا۔

2. مشہور کتب حدیث القرآن کے مصنفین کا تعارف

تدوین حدیث۔ اولین مجموعے

تیسری صدی کے مشہور اور عظیم علماء حدیث نے بڑی چھان بین، تحقیق اور محنت کے بعد حدیث نبوی کی کتب تالیف کیں جن میں مستند ترین اور ”متواتر“ احادیث شامل کی گئی تھیں۔ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد آج کے دور میں بھی ان کی اہمیت مسلم ہے۔ ان کے بعد حدیث کی جتنی بھی کتب تالیف ہوئیں، ان کی بنیاد یہی چھ کتب ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری	۲۔ صحیح مسلم	۳۔ جامع ترمذی
۴۔ سنن ابی داؤد	۵۔ سنن نسائی	۶۔ سنن ابن ماجہ

ان میں سے تین کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی ”جامع“ کہلاتی ہیں۔ جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ کے عنوانات پر حاوی ہیں۔ بقیہ تین تالیفات یعنی سنن ابی داؤد، سنن نسائی، اور سنن ابن ماجہ ”سنن“ کہلاتی ہیں اور وہ صرف معاملات یعنی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ذیل میں صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری

صحیح بخاری حدیث نبوی کی سب سے مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ”الجامع الصحیح المصنوع المختصر من امور رسول اللہ و سنتہ و آیاتہ“ ہے۔ اس کتاب میں تقریباً 7572 احادیث نبوی شامل کی گئی ہیں۔ روئے زمین پر صحیح بخاری کو قرآن مجید کے بعد مستند ترین کتاب مانا جاتا ہے۔ مختلف علماء کرام نے صحیح بخاری کی تشریحات لکھی ہیں جنہیں ”شروح“ کہتے ہیں۔ ان کی تعداد 53 ہے۔

مؤلف:

اس کتاب حدیث کے مؤلف کا نام امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔ آپ 192 ہجری بمطابق 810 عیسوی کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حدیث کا علم 205 ہجری میں حاصل کرنا شروع کیا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے آپ نے بہت سے دور دراز کے ممالک کا سفر کیا۔ 12 سال مختلف ممالک میں علم حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ وطن واپس آ گئے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے 256 ہجری بمطابق 870 عیسوی کو شرف قدس و وفات پائی۔

۲۔ صحیح مسلم

یہ مجموعہ احادیث امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے۔ قرآن مجید اور صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم دنیا کی سب سے مستند ترین کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب میں تقریباً 4000 احادیث نبوی شامل کی گئی ہیں جنہیں امام مسلم نے بڑی محنت اور تحقیق و تنقید کے بعد شامل کیا ہے۔

مؤلف:

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیشاپور، ایران میں 206 ہجری بمطابق 821 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ صحیح مسلم میں شامل کرنے کے لیے آپ نے تین لاکھ احادیث میں سے مستند ترین احادیث منتخب کیں۔ آپ 261 ہجری بمطابق 875 عیسوی کو نیشاپور میں ہی فوت ہوئے۔

بخاری و مسلم کا پایہ فن حدیث میں اس قدر بلند ہے کہ حدیث کے سلسلے میں جہاں شیخین کا ذکر آئے وہاں یہی دو امام مراد ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کو ”صحیحین“ کہا جاتا ہے۔ جو حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہوا سے ”متفق علیہ“ کہتے ہیں۔

۳۔ جامع ترمذی

اس کتاب کو امام ابو یوسفؒ محمد ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف کیا۔ جامع ترمذی ان کی مشہور اور مقبول تصنیف ہے جو اپنی جامعیت، صحت، تحقیق اور تنقید کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔ خود امام صاحب کا خیال تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو گیا خود اس گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں جو تکلم فرماتے ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔ جامع ترمذی صرف حدیثوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ اس کتاب میں حدیثوں کی تعداد صحیحین کے مقابلے میں کم ہے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔ مجموعی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ آئمہ حدیث کے نزدیک بخاری و مسلم کے بعد جامع ترمذی کا درجہ ہے۔ ترتیب اور تہذیب کے اعتبار سے کتاب بڑی مفید ہے۔ جامع ترمذی کئی اعتبار سے دوسری کتب حدیث پر سبقت رکھتی ہے۔ علمائے حدیث کے نزدیک اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں اس کتاب کی سولہ سے زائد شروحات لکھی گئی ہیں۔

مؤلف:

امام ابو یوسفؒ محمد ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترمذ (ترکستان) میں 209ھ میں پیدا ہوئے اور 279ھ میں وفات پائی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدث تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ ضرب النثل تھا۔ آپ نے کئی کتابیں تالیف کیں۔

۵۔ سنن نسائی

اس کتاب کے مؤلف امام عبد الرحمن بن شعب نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اس کتاب میں عبادات اور احکام کی احادیث شامل کی گئی ہیں۔

مؤلف:

امام عبد الرحمن بن شعب نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خراسان کے شہر نساء میں 215ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے نسائی مشہور ہوئے۔ امام نسائی نے 303ھ میں وفات پائی۔ پہلے امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کی۔ بعد میں اس کتاب سے صرف صحیح حدیثوں کو منتخب کر کے موجودہ سنن کی شکل دی۔ بعض آئمہ حدیث کے نزدیک نسائی علم حدیث کے ممتاز امام ہیں بعض دیگر محدثین امام نسائی کو حفظ حدیث میں امام مسلم سے بھی بڑا مانتے ہیں۔

۴۔ سنن ابی داؤد

اس کتاب کے مؤلف امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث جستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اس کتاب میں علمی احکام سے متعلق روایات کو کچھ ایسی جامعیت اور خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے کہ ہر دور میں یہ قیمتی کتاب قانونی مسائل کا بہترین ماخذ تسلیم کی گئی ہے۔ علمائے حدیث نے سنن ابی داؤد کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور علم دین میں اسے بہترین کتاب قرار دیا کیونکہ اس میں اصول علم، احکام فقہ اور سنت نبوی کا اہم جزو شامل ہے۔ اس کتاب میں 4800 احادیث درج ہیں۔ سنن ابی داؤد اپنے موضوع پر مکمل اور جامع کتاب ہے اس میں تفسیر بھی ہے اور تاریخ بھی اور فقہ و قانون اور جہاد و تبلیغ کا پیغام بھی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت اور قیمتی معلومات کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مؤلف:

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث جستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 202 ہجری بمطابق 820 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ مختلف علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث نبوی جمع کیں اور ان میں سے 4800 صحیح حدیثیں منتخب کر کے اپنی اس کتاب میں درج کر دیں۔ آپ نے 275 ہجری بمطابق 888 عیسوی میں وفات پائی۔

۶۔ سنن ابن ماجہ

اس کتاب کو امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ اور معلومات مسلم ہیں۔ یہ کتاب چار ہزار حدیثوں پر مشتمل ہے۔ سنن ابن ماجہ کی ترتیب و تدوین میں دوسری کتب کے معیار کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی لیے کئی بزرگوں نے اسے صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا۔ بعض علمائے حدیث نے اس کتاب کی جگہ موطا امام مالک کو اور بعض نے سنن داری کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مؤلف:

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایران کے مشہور شہر قزوین میں 209ھ میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے قزوینی کہلائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 273ھ میں وفات پائی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف میں تفسیر قرآن، تاریخ اور سنن مشہور ہیں، لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت کا دار و مدار سنن پر ہے۔ ابن ماجہ بڑے معتبر محدثین میں سے تھے۔

۷۔ الکافی:

(3)

مشہور شیعہ علماء کے مطابق الکافی شیعوں کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ اس کے مؤلف کا نام محمد بن یعقوب الکافی ہے جو شیعوں کے بہت معتبر عالم مانے جاتے ہیں۔ الکافی اُن احادیث پر مبنی ایک کتاب ہے جو شیعوں کے ائمہ کرام کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے اہل سنت اپنی حدیث کی کتاب ”صحیح بخاری“ کو اہمیت دیتے ہیں اتنی ہی شیعوں میں اس کتاب کی اہمیت ہے۔ اہل سنت کے برعکس (جو البخاری کو صحیح بخاری کہتے ہیں) شیعہ الکافی کو صحیح الکافی نہیں کہتے۔ ۶

اس کتاب کے تین حصے ہیں: ★ اصول الکافی ★ فروع الکافی ★ روضۃ الکافی

★ اصول الکافی:

یہ ”الکافی“ کا پہلا حصہ ہے۔ اس حصے میں مذہب کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس حصے کو آٹھ کتابوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

★ فروع الکافی:

یہ ”الکافی“ کا دوسرا حصہ ہے۔ اس حصے میں مذہب کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ یہ شیعوں کے مستند ترین مجموعہ احادیث میں سے ایک ہے۔ اس میں 11,156 احادیث مبارکہ شامل ہیں اور یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

★ روضۃ الکافی:

یہ ”الکافی“ کا تیسرا حصہ ہے۔ یہ حصہ مختلف مذہبی پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اس حصے میں ائمہ کی کچھ تحاریر بھی شامل ہیں۔

صحیح (۸۔ تہذیب الاحکام:

اس کتاب کے مصنف کا نام شیخ الطائف ابو جعفر محمد بن حسن ہے، جن کو شیخ طوسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ آپ ۳۸۵ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات ۴۶۰ھ میں ہوئی۔ آپ کو شیعہ مکتب فکر میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

تہذیب الاحکام شیعہ مکتب فکر کی احادیث اور روایات پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر احادیث اور روایات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہیں۔ شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام ایک مشہور کتاب ”المقننہ“ کی وضاحت اور تشریح میں لکھی۔ المقننہ شیخ طوسی کے محترم استاد اور پیشوا شیخ مفید کی تصنیف ہے۔

تہذیب الاحکام میں شامل کردہ احادیث اور روایات زیادہ تر مذہبی قوانین پر مشتمل ہیں۔ شیعہ مکتب فکر کے فقہاء اور مجتہد اس کتاب کو بطور حوالہ جات استعمال کرتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل کردہ احادیث اور روایات کے ذرائع مستند اور قابلِ بھروسہ خیال کیے جاتے ہیں۔ (3)

3. اصطلاحات حدیث

۱۔ متواتر:

خبر یا حدیث متواتر وہ حدیث ہے جس میں مندرجہ ذیل چار شرائط پائی جائیں:

- ★ راویوں کی تعداد کم از کم چار ہو اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یعنی محدث سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر طبقے میں اس کی اتنی سندیں ہوں کہ عاداتاً سنے لوگوں کا عہد آیا اتفاقاً جھوٹ پر متفق ہو جانا محال ہو۔
- ★ سند کے ہر مرحلہ میں (ابتداء سے انتہا تک) رواۃ کی تعداد چار سے کم نہ ہو۔
- ★ راوی پر کذب (جھوٹ) کا اتہام نہ ہو۔
- ★ سننے والے کو اس سے یقینی علم حاصل ہو جائے۔ اس میں راوی کے گمان اور عقل و تخیل کو دخل نہ ہو اور راوی کو اپنے بیان پر اطمینان ہو۔ بالفاظ دیگر اس خبر کے حصول کا ذریعہ انسانی حواسِ خمسہ ہوں جس میں چکھنا، سونگھنا، چھونا، سنا اور دیکھنا شامل ہیں۔

”خبر متواتر“ کو قطعی صحت کی حامل قرار دیا جاتا ہے اور اس کی سند وغیرہ پر جرح نہیں کی جاتی۔

۲۔ خبر مشہور:

محدثین کی اصطلاح میں خبر مشہور سے مراد وہ حدیث یا روایت ہے جسے بیان کرنے والے تین یا زیادہ افراد ہوں اور یہ تعداد تمام طبقات میں اسی طرح قائم رہے۔

حدیث مشہور کی ایک اور قسم بھی ہے جس کو مشہور عام کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ”مشہور“ اس خبر کو بھی کہتے ہیں جو عامۃ الناس

کی زبانوں پر مشہور ہو لیکن متواتر کے حد کو نہ پہنچے۔ (۳)

۳۔ خیر واحد:

خیر متواتر کے سوا باقی تمام روایات کو اخبار احاد یا خیر واحد کہا جاتا ہے۔ خیر واحد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد کی مرحلے میں صرف ایک رہ گئی ہو یا جس میں عام توقع کے علاوہ کوئی بات پائی جائے۔ خیر واحد کی تین اقسام ہیں: خیر مشہور، خیر عزیز اور خیر غریب۔

۴۔ صحیح: ۶۸
صحیح کی دو اقسام ہیں:

۱۔ صحیح لذاتہ: وہ حدیث یا روایت ہے جس کی سند راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں، وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے، نیز اس میں کوئی انفرادیت یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔ (۶۸)
۲۔ صحیح لغیرہ: جس کے راوی میں حفظ و ضبط کی کمی ہو لیکن اس کو اس طرح یا اس سے قوی دوسری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہو۔

وہ حدیث یا روایت ہے جس کی سند راوی سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں، وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے، نیز اس میں کوئی انفرادیت یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے۔

۵۔ حسن:

حدیث حسن کی بھی دو اقسام ہیں:

۱۔ حسن لذاتہ: جس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل ہوں لیکن حفظ و ضبط میں کمی ہو اور اس میں انفرادیت اور مخفی علت نہ پائی جائے۔

۲۔ حسن لغیرہ: یہ وہ ضعیف حدیث ہوتی ہے جس کے طرق روایت متعدد ہوں اور ضعیف راوی نفس و کذب کی وجہ سے نہ ہو۔

۶۔ ضعیف:

جس میں صحیح کے اوصاف نہ پائے جائیں وہ ضعیف ہے مثلاً اس کا راوی ضعیف ہو یا عدالت سے بہرہ ور نہ ہو۔ یا درمیان میں سند کا سلسلہ ٹوٹ جائے یا اس کی سند میں کوئی مخفی علت ہو یا راوی کا حافظہ خراب ہو۔

4. منتخب احادیث (ترجمہ و تشریح)

حدیث نمبر ۱:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) سَأَلْتُ النَّبِيَّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ عَلَى وَفَّيْهَا. قَالَ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوْ اسْتَرْذَنُ لَرَأَيْتَنِي. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا، پھر پوچھا، اس کے بعد فرمایا والدین کے ساتھ نیک معاملہ رکھنا، پوچھا اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ تفصیل بتائی اور اگر میں اور سوالات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بھی بتلا دیتے۔

تشریح:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درج ذیل پسندیدہ اعمال کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ وقت پر نماز کی ادائیگی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت پر نماز کی ادائیگی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل قرار دیا ہے۔ اسلامی عبادات میں نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ اسلام کا ایسا رکن ہے جو ہر مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، ہر حالت میں فرض ہے خواہ انسان تندرست ہو یا بیمار، کمزور ہو یا طاقتور، مقیم ہو یا مسافر، حالت جنگ میں ہو یا امن میں، غرض آدمی کے ہوش و حواس جب تک قائم رہتے ہیں، اس پر نماز فرض ہے؟

۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرا پسندیدہ ترین عمل والدین (یعنی ماں اور باپ) سے حسن سلوک کو قرار دیا گیا ہے۔ والدین اس دنیا میں اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ماں کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ”جنت ماں کے قدموں تلے ہے“۔ اسی طرح باپ کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جس نے اپنے باپ کے چہرے کی طرف پیار سے دیکھا، اسے ایک مقبول حج کا ثواب ملے گا“۔ ایک اور حدیث میں ماں اور باپ کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یادوں کو پایا اور ان کی خدمت کر کے اپنے لیے جنت واجب نہ کرالی۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اس حدیث میں تیسرا پسندیدہ ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پارہے ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں“۔ اس آیت مبارکہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور اس میں شہید ہونے والوں کے مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) أَلَا أُتِيكُمْ بِأَكْبَرِ الْكِبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: إِلَّا شُرَاكُ بِاللَّهِ وَغُفُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَكَانَ مُتَكِنًا فَبَجَلَسَ فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لَا يَسْكُتُ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک لگائے ہوئے تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ جھوٹی گواہی بھی اور جھوٹی بات بھی (سب سے بڑے گناہ ہیں) آگاہ ہو جاؤ جھوٹی گواہی بھی اور جھوٹی بات بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے مسلسل دہراتے رہے اور یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش نہیں ہوں گے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو سب سے بڑے گناہ کے بارے میں بتایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، یعنی شرک گناہ کبیرہ ہے۔ دوسرا سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ والدین اس دنیا میں اولاد کے لیے سب سے بڑی نعمت ہیں۔ والدین کی ہر جائز بات ماننے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، والدین کی خدمت میں اللہ تعالیٰ نے جنت رکھی ہے۔ اسی طرح دوسری طرف والدین کی جائز باتوں میں نافرمانی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے گویا والدین کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی

تا فرمائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسرا سب سے بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے۔ جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے انسان کو دس مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور اس طرح جھوٹ بولنے بولنے انسان جھوٹ کی دلدل میں پھنستا جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار جہنم کی صورت میں نکلتا ہے۔

حدیث نمبر ۳:

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) قَالَ إِنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) يَقُولُ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطع رحمی کرنے اور دوسروں سے تعلق توڑنے والے شخص کے متعلق بتایا ہے کہ وہ شخص کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایسا شخص جو دوسروں سے قطع تعلق کر لے تو ایسے شخص کو ایک اسلامی معاشرے میں نہایت برا خیال کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنی دولت، امارت، حسب و نسب یا کسی اور وجہ سے غرور میں دوسروں سے اپنا تعلق جوڑنا نہیں چاہتا اور اگر وہ تعلق جوڑتا ہے تو صرف ان لوگوں سے جو حسب و نسب، مال و دولت اور امارت میں اس کے ہم پلہ ہوں، وہ غریبوں کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ایسے شخص کے متعلق ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث نمبر ۴:

عَنْ عَائِشَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا) زَوْجِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الرَّجُلُ شَجْنَةٌ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَتْهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَتْهُ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رحم (رشتہ داری، رُحْم سے ملی ہوئی) شاخ ہے۔ جو شخص اس سے ملے، میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داری کے متعلق فرمایا کہ رشتہ داری اور دوسروں سے تعلق رکھنا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں اور دوسروں سے تعلق رکھتا ہے تو اس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ میں اسی شخص سے تعلق رکھتا ہوں جو اپنے رشتہ داروں اور احباب سے تعلق رکھتا ہے اور جو شخص اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب سے قطع تعلق کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور میں بھی اس سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔

حدیث نمبر ۵:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمُسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں بیواؤں اور مسکینوں کے حقوق کے لیے کوشش کرنے والوں کے اجر و ثواب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں سب سے بڑی عبادت یعنی جہاد کرنے والے کی طرح ہیں، یاد وہ ان نیک افراد کی مانند ہیں جو دن اور رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اجر و مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر پسندیدہ ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیسرا پسندیدہ ترین عمل قرار دیا گیا ہے، جس سے اس شخص کے اجر و ثواب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو حقوق العباد خاص طور پر بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھتا ہو۔

حدیث نمبر ۶:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) عَنِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مسلمان کسی

درخت کا پودا لگاتا ہے اور اس درخت سے کوئی انسان یا جانور کھاتا ہے تو لگانے والے کے لیے وہ صدقہ ہوتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں درخت لگانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی بندہ سر راہ کوئی درخت لگا دے خواہ وہ کسی بھی چیز کا ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس سے کوئی فائدہ پہنچے، مثلاً کوئی شخص اس درخت کا پھل کھائے یا کڑی دھوپ میں اس کی چھاؤں میں بیٹھے اور آرام کرے تو یہ اس لگانے والے شخص کے لیے صدقہ ہوگا، یعنی جب تک وہ درخت لگا رہے گا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس کی چھاؤں میں بیٹھے رہیں گے، اس کا پھل کھاتے رہیں گے تو جب تک اس لگانے والے شخص کو ثواب ملتا رہے گا

حدیث نمبر ۷:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر مدارت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ اچھی بات کہے یا چپ رہے۔

تشریح:

درج بالا حدیث میں تین باتوں کی نصیحت کی گئی ہے۔

۱۔ پڑوسیوں کی عزت: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مومن اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ اس میں حسن سلوک، خوش اخلاقی اور ہمدردی سب شامل ہیں۔ پڑوسی کو ستانہ جائے۔ اس کے ظلم و تعدی کو برداشت کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھ کو پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ میں نے سوچا کہ پڑوسی کو وارث قرار دے دیں گے۔ ایک خاتون روزہ رکھتی اور رات کو تہجد پڑھتی تھیں مگر اپنے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ روزہ میں جائے گی۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ مہمان کی خاطر مدارت: اس حدیث میں دیکھا گیا ہے کہ مہمان کی عزت افزائی اور خاطر مدارت کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود مہمان کی عزت کیا کرتے تھے اور اس کی ناگوار باتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

۳۔ خاموشی کی فضیلت: آخری بات یہ ہے کہ جو شخص کامل ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ غیر ضروری اور بیجا ہونے لگے۔ غیر ضروری گفتگو سے خاموشی بدرجہا بہتر ہے۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اس کو اس کے نامہ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں۔ لہذا انسان ہر لفظ کے لیے بارگاہ ربانی میں جوابدہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (سورۃ ق: ۱۸)

”وہ (انسان) جو لفظ بولتا ہے اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے۔“

حدیث میں ذکر کردہ تین باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں لیکن مجلسی آداب اور معاشری اخلاق کے اعتبار سے ان تینوں باتوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مسائے کی عزت کرنے والے کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور جس شخص کو اپنی زبان پر قابو ہو گا وہ اپنے وقار اور عزت و شرافت کو محفوظ رکھ سکے گا۔ اسی طرح مہمان کی خاطر داری کرنے والا لوگوں میں نیک نامی حاصل کرتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۸:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا) عَنِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیک کام صدقہ ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو نیکی کی تلقین کی ہے اور اس انداز میں کی ہے کہ ہر نیکی اور نیک کام چاہے وہ جو بھی ہو، اسے صدقہ قرار دیا ہے۔ ہمیں خود بھی نیکیاں کرنی چاہئیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی ترغیب دلائی چاہیے، اسی طرح ہمیں خود بھی برائی سے بچنا چاہیے اور دوسروں کو بھی برائی سے بچنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ہمیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو استیصال کا حکم دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت اور اعزاز یہ بتایا گیا ہے کہ ”امرو بالمعروف اور نہی عن المنکر“ پر عمل کرتے ہیں یعنی لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی آپ نے ہمیں نیکی کی ترغیب دی ہے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کریں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں۔

حدیث نمبر ۹:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ): يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ. (البخاری: کتاب الفتن)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزر جائے گا اور عمل دنیا میں کم ہو جائے گا اور دلوں میں بخل سما جائے گا اور ”ہرج“ کی کثرت ہو جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ”ہرج“ کیا ہے؟ فرمایا قتل، خون ریزی۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل چار چیزوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔

۱۔ وقت (زمانہ) جلدی جلدی گزر جائے گا۔

۲۔ دین کے عمل کو کم اہمیت دی جائے گی۔

۳۔ لوگوں کے دلوں میں سخاوت ختم ہو جائے گی اور بخل بڑھ جائے گا۔

۴۔ دنیا میں لڑائی جھگڑے، قتل و غارت اور خوں ریزی بڑھ جائے گی۔

اگر ہم مندرجہ بالا چاروں علامتوں پر غور کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ موجودہ دور ہی اس حدیث مبارکہ کا مفہوم پیش کرتا ہے۔ ارد گرد معاشرے اور ماحول پر غور کریں تو ہر کوئی اس بات کا گلا کرتا نظر آتا ہے کہ وقت (زمانے) میں برکت نہیں رہی۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ سالوں پرانی باتیں یا چیزیں ابھی بہت قریبی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

دوسری علامت عمل کی اہمیت کا کم ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات آج کل بہت عام ہے کہ لوگ اپنی معلومات میں اضافہ کی طرف توجہ تو دیتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں لیکن بہت کم عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جب کہ اہم چیز عمل ہے نہ کہ محض معلومات میں اضافہ۔

ہمارے اسلاف مہمان نوازی، فیاضی اور سخاوت کا منہ بولنا ثبوت تھے لیکن آج ہمارے دلوں میں دوسروں کی فلاح و بہبود، رفاہ عامہ اور عزیز و اقرباء کی دلجوئی ناپید ہو چکی ہے۔ دین اسلام مال جمع کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے مگر ہم پھر بھی مال جمع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

چوتھی علامت قتل و غارت اور لڑائی جھگڑے کی ہے۔ دنیا کا آرام و سکون انہی نام نہاد تازعات اور قتل و غارت کی نذر ہو گیا ہے۔ ہمیں بطور مسلمان اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی علامات پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرنا چاہیے تاکہ مسلمانوں کی زندگیوں میں غیر مسلموں کے لیے نمونہ ثابت ہوں اور یہ دنیا جنت کا نظارہ پیش کرے۔

حدیث نمبر ۱۰:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: النَّبِيُّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ

وَسَلَّمَ) لَا يَجِدُ أَحَدٌ خَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَحَتَّى أَتَقَدَّفَ فِي السَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ وَحَتَّى يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا.

(البخاری کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص ایمان کی خلاوت اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک وہ کسی شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے اور اس کو آگ میں ڈالا جانا پسند ہو لیکن ایمان کے بعد کفر میں جانا اسے پسند نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے سوا دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں زیادہ محبت نہ ہو۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو موضوع بنایا گیا ہے کہ جب تک انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے، اس کی ہر پسند کو اپنی پسند اور اس کی ہر نا پسند کو اپنی نا پسند نہ بنالے، اسے یہ بات پسند ہو کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے مگر اسے یہ پسند نہ ہو کہ وہ ایک دفعہ مسلمان ہو جانے کے بعد دوبارہ دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ ایک پکا، سچا مومن ہونے کی دوسری شرط یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اس دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ، حتیٰ کہ اپنی جان، مال، اولاد وغرضیکہ ہر چیز سے زیادہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے۔

حدیث نمبر ۱۱:

عَنْ خُذَيْفَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) سَمِعْتُ النَّبِيَّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چغل خور کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ چغلی کرنا گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے۔ یہ معاشرے کی ایک ایسی برائی ہے جس سے معاشرے میں فساد اور لڑائی جھگڑے پھیلنے ہیں۔ جو بالآخر معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو حرام قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قبیح اور برا فعل قرار دیا ہے۔ اس دنیا میں کون ہوگا جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ یقیناً ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں چاہے گا۔ اسی طرح ہمیں چغلی سے بھی بچنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۱۲:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللَّهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هُوَ لَآءٍ بَوَّجُهُ وَهُوَ لَآءٍ بَوَّجُهُ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کو سب سے زیادہ بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور کچھ کے سامنے دوسرے

رخ سے جاتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں منافقت اور منافق کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ منافق کا حال قیامت کے دن سب سے زیادہ برا ہوگا۔ منافقت کسی معاشرے کا ایک بڑا روگ ہے۔ اس سے وہ معاشرہ اور اس کے لوگ دوسروں کے سامنے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ منافق آدمی کی منافقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس شخص کے دل میں کوئی خلوص نہیں بلکہ وہ ایک خود غرض انسان ہے۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں منافقوں کے مقام کے لیے درک کا لفظ آیا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی سیرگی اتر رہا ہو تو سیرگی کا ہر نچلا پایا درک کہلاتا ہے۔ یعنی منافق شخص انسانیت اور زندگی کی سیرگی پر مسلسل ذلت و پستی کی طرف ہی سفر کرتا رہتا ہے اور اپنی پستی کے اس سفر کی بنا پر آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے درجے میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کی اس پستی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

حدیث نمبر ۱۳:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَلَا يَجِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. (البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام کلام چھوڑ کر رہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو کچھ نصیحتیں کیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔
مسلمانوں کو اپنے کسی بھائی کی بات پر اپنے دل میں بغض و عناد نہیں رکھنا چاہیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی بات کا برا نہیں
منانا چاہیے۔ اگر کسی معاشرے میں مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے اپنے دل میں بغض و عناد رکھے گا تو وہ
معاشرہ قائم نہیں رہ سکے گا۔

دوسرا یہ کہ ہمیں کسی دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی طرح اپنی نعمت عطا فرمائے۔

تیسری نصیحت حضور نبی کریم نے یہ فرمائی ہے کہ ہمیں پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہیں کرنی چاہیے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا
بہت برا فعل ہے۔ اسلام میں اس کام کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ برا کام قرار دیا ہے اور اس کی سختی سے
ممانعت کی ہے۔

اس حدیث میں چوتھی نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کی ہے کہ ہمیں آپس میں بھائی بھائی بن کے رہنا چاہیے
اسی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں میں شمار ہو سکتے ہیں۔

اس حدیث میں آخری نصیحت یہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی سے دو مسلمانوں کے درمیان کسی بات پہ جھگڑا ہو جائے اور وہ ایک
دوسرے سے قطع تعلق کر لیں تو دونوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ آپس میں قطع تعلق کیے

رہیں۔

حدیث نمبر ۱۴:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدَهُمَا.

(البخاری، کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی اپنے کسی
بھائی کو کہا اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد حاضر کے ایک بڑے فتنے کا سد باب کر دیا
ہے۔ یعنی یہ فرمادیا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کو اس کی کسی غلطی، کوتاہی یا
گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دے دے۔ جیسا کہ اس دور میں یہ بات زبان زد عام ہو گئی ہے کہ فلاں گروہ، فرقہ یا قوم، مخصوص
عقیدے یا رائے کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی ہے۔ ایک گروہ یا فرقہ دوسرے پر اسی طرح کے الزامات کی بوچھاڑ کیے رکھتا ہے
اور اپنے دوسرے کلمہ گو بھائی کو کافر قرار دے دیتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کی رو سے دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ یا فرقہ کافر
ہو جائے گا۔

یہ بہت نازک معاملہ ہے۔ تمام کلمہ گو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل، بردباری اور غفور و درگزر سے کام لیں اور متنازع مسائل
اور رجحانات پر اسلامی نکتہ نظر کے مطابق باہم مشاورت کریں اور ایک دوسرے پر فتوے لاگو کرنے سے گریز کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی
و ناصر ہو۔

حدیث نمبر ۱۵:

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) إِنَّ مِمَّا أَذْرَكَ
النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ.

(البخاری، کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں نے سابقہ انبیاء
علیہم السلام کے کلام سے جو چیزیں حاصل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تو شرم محسوس نہ کرے تو جو تیرا جی چاہے کر۔

تشریح:

اس حدیث میں حیاء کی تلقین کی گئی ہے۔ حیاء ایسے جذبے کو کہتے ہیں جو دل کے اس احساس سے کروٹ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان نیک کاموں کی جانب راغب ہوتا اور برے کاموں سے نفرت کرتا ہے۔ حیاء کے جامع اور ہمہ گیر فوائد کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء کا حکم سابقہ شریعتوں میں موجود تھا ہر شریعت میں اس پر بڑا زور دیا گیا تھا۔ حیاء انسان کو مجبور کرتی ہے کہ دین و اخلاق کی سب پابندیوں کو قبول کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تہذیب و شرافت اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان حیاء دار بن جائے شرم و حیاء برائیوں سے روکتی ہے بے حیاء اور بے شرم آدمی معاشرے میں کسی قانونی بندش کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسی لیے فرمایا کہ بے حیائی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔ حیاء کو اخلاق میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا۔ جب انسان میں شرم و حیاء کا جذبہ باقی نہ رہے تو اس سے کسی نیکی اور بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔

حدیث نمبر ۱۶:

عَنْ أَبِي شُرَيْبٍ نِ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ يَوْمَ وَلِيلَتِهِ وَالضَّيْفَانِ فَلَا تُؤَامَ فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَوَيَّ عَنْهُ حَتَّى يُخْرِجَهُ.

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

حضرت ابو شریب کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری بس ایک دن اور رات کی ہے اور مہمان نوازی تین دن اور راتوں کی اور اس کے بعد جو ہے وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے میزبان کے پاس اتنے دن ٹھہر جائے کہ اسے تنگ کر ڈالے۔

تشریح:

اس حدیث میں مہمان نوازی کے بارے میں ہمارے لیے احکام موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں مہمان نوازی کا روشن پہلو ملتا ہے۔ آپ خود بھی مہمانوں کی حتی المقدور مہمان نوازی اور آؤ بھگت کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے مہمان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کیا کرتے تھے اور کھانے کے لیے بار بار اصرار کرتے تھے۔

مہمان نوازی کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی خدمت اور آؤ بھگت کرے۔ مہمان سے خندہ پیشانی سے ملے۔ مکان میں ٹھہرائے، جس قدر ہو سکے عمدہ اور طحال کھانا کھلائے، حال احوال پوچھے۔ مہمان داری کا حق تین دن ہے اس سے زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا مزید اجر ہے۔“

حدیث نمبر ۱۷:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا) عَنِ النَّبِيِّ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) قَالَ: الْغَادِرُ يُرْفَعُ لَهُ لَوَاءٌ "يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ ابْنِ فُلَانٍ."

(البخاری: کتاب الأدب)

ترجمہ:

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عہد توڑنے والے کے لیے قیامت میں ایک جھنڈا اٹھایا جائے گا اور پکارا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دغا بازی کا نشان ہے۔

تشریح:

اس حدیث میں وعدہ یا عہد توڑنے والے کی برائی بیان کی گئی ہے۔ وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرنا بڑی برائی اور جھوٹ ہے۔ وعدہ خلافی کرنے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ ریاکار، دھوکہ باز اور مطلب پرست شخص کے اندر منافقت پیدا ہو جاتی

ہے اور اس کے اندر وسوسے داخل ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں آدم زاد جو فرشتوں کا مسمود ہے دوسروں کا محکوم بن جاتا ہے۔ وعدہ خلافی کرنے والے کو لوگ جھوٹا خیال کرتے ہیں اور اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وعدہ توڑنے والے کا قیامت کے دن سب کے سامنے اعلان کیا جائے گا۔

✖ حدیث نمبر ۱۸:

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ): ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ لَمْ يَتِمَّ لَهُ عَمَلٌ: "وَرَعَ" يَحْجُزُهُ عَنْ مَعَاصِي اللَّهِ وَخُلُقٍ يُدَارِي بِهِ النَّاسَ وَحِلْمٍ يَرُدُّ بِهِ جَهْلَ الْجَاهِلِ.

(الكليني: اصول الكافي، كتاب الايمان و الكفر)

ترجمہ:

ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں نہ ہوں تو اس کا کوئی عمل مکمل نہیں ہوتا۔ پرہیز گاری (تقویٰ) جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے۔ اچھے اخلاق کہ جن سے لوگوں سے معاملہ کرے اور بردباری کہ جس سے جاہلوں کی جاہلیت کا جواب دے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول بنانے کے لیے تین بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ کو انسان متقی (تقویٰ والا) اور پرہیز گار ہونا چاہیے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں مگر خطبہ جتہ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیا ہے کہ فضیلت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ تقویٰ اور پرہیز گاری میں خود کو دوسروں سے آگے کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں پسندیدہ بن جائے گا اور اس کا ہر عمل مقبول ہوگا۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کے اخلاق اچھے ہونے چاہئیں۔ اچھے اخلاق کسی انسان کی معاشرے میں رہتے ہوئے سب سے بڑی خاصیت ہوتی ہے۔ اس انسان کو کبھی پسند کرتے ہیں جو دوسروں سے اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ دوسروں سے اچھے اخلاق سے پیش آنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو بھی قبولیت بخش دیتا ہے۔

اس حدیث میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کو بردبار اور غنودہ رکھنے والا ہونا چاہیے کیوں کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں وہاں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، جن میں کچھ کم عقل بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں سے برتاؤ کرنے کے لیے انسان میں بردباری کی خاصیت بھی ہونی چاہیے تاکہ وہ ایسے لوگوں سے بھی اچھی طرح سے برتاؤ کر سکے

✓ حدیث نمبر ۱۹:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ):

نِعْمَ وَزِيرُ الْإِيمَانِ الْعِلْمُ، وَنِعْمَ وَزِيرُ الْعِلْمِ الْحِلْمُ، وَنِعْمَ وَزِيرُ الْحِلْمِ الرِّفْقُ، وَنِعْمَ وَزِيرُ الرِّفْقِ الصَّبْرُ. (نفس المرجع: كتاب فضل العلم)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان کا بہترین وزیر (معاون) علم ہے اور علم کا بہترین وزیر بردباری ہے اور بردباری کا بہترین وزیر نرمی ہے اور نرمی کا بہترین وزیر صبر ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی تکمیل اور سچائی والے اعمال کو بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو ایمان کا بہترین مددگار بیان فرمایا ہے یعنی نفع بخش علم ایمان اور یقین کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اسی طرح حلم یعنی بردباری ایک ایسی خوبی ہے جو مومن کی شان ہے اور اس کو علم کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ مزید ارشاد

گرای ہے کہ بردباری کے لیے نرم خوئی اور بہتر اخلاق بہت ضروری ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے آخر میں صبر و تحمل اور برداشت کو نری کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ الغرض یہ حدیث مبارکہ ان تمام اخلاقی حسنہ کی تاکید کرتی ہے جو کہ ایمان کامل کے لیے مہم و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۰:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَعْلَمُ؟ قَالَ: الْإِنصَافُ قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ: الْأَسْتِمَاعُ، قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ: الْحِفْظُ، قَالَ: ثُمَّ مَا؟ قَالَ الْعَمَلُ بِهِ، ثُمَّ مَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: نَشْرُهُ.

(نفس المرجع و نفس الصفحة)

ترجمہ:

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! علم کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خاموشی۔ اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غور سے سننا اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یاد رکھنا اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر عمل کرنا۔ اس نے کہا پھر کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو پھیلانا۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اسلام نے بھی حصول علم کو بہت اہمیت دی ہے۔ قرآن حکیم نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علی برتری کی وجہ سے زمین پر خلافت کا منصب عطا کیا گیا۔ اہل علم اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور اہل علم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصول علم کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا ہے اور بتایا کہ علم کی بات موکن کا متاع ہے، جہاں سے ملے اسے لے لیتا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے علم کے لیے سفر کرنے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عرب کا وہ خطہ جو جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، آپ نے چند سالوں میں وہاں تعلیم عام فرمادی۔ بدر کے قیدیوں کے لیے یہ نذیر مقرر فرمایا کہ اگر وہ دس بچوں کو پڑھتا اور لکھتا سکھادیں گے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں صفحہ کی درگاہ بنائی گئی جہاں ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت حصول علم میں مصروف رہتی تھی۔

حدیث نمبر ۲۱:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: طُوبَى لِمَنْ حَسُنَ مَعَ النَّاسِ خُلُقُهُ، وَبَذَلَ لَهُمْ مَعُونَتَهُ، وَعَدَلَ مِنْهُمْ شَرُّهُ.

(الروضة من الكافي. وصايا النبي لأصحابه)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خوشخبری ہے اس کے لیے جو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے اور جو لوگوں کی مدد میں اپنی کوشش صرف کرتا ہے اور اپنے شر کو لوگوں سے دور رکھتا ہے (یعنی لوگوں کو ایذا نہیں دیتا)۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے لیے خوشخبری کا اعلان کیا ہے جو لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ حسن خلق یعنی لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور سلوک سے پیش آنا ایک ایسی مفت ہے کہ جس شخص میں یہ مفت ہو اسے معاشرے میں اچھا خیال کیا جاتا ہے اور اس کی عزت کی جاتی ہے اور اسے دوسرے لوگوں سے بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی پسندیدہ و محبوب ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے تو ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجر عظیم کی خوشخبری دی ہے۔

اس کے علاوہ وہ شخص جو لوگوں کی مدد کرتا ہے اور اس کو شش میں اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر اور اپنی بری باتوں سے محفوظ رکھتا ہے تو ایسے شخص سے بھی اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور نبی کریم نے اس شخص کے لیے بھی اجر عظیم کی خوشخبری دی ہے۔

حدیث نمبر ۲۲:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ فَقَدْ طَابَ مَكْسَبُهُ، إِذَا اشْتَرَى لَمْ يُعَبِّ، وَإِذَا بَاعَ لَمْ يَحْمَدْ، وَلَا يَدْلُسْ، وَفِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ لَا يَخْلِفُ.

(الفروع من الكافي، كتاب المعيشة، باب آداب التجارة)

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جو کسی میں ہوں تو اس کی کمائی پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ جب کوئی چیز خریدے تو اس میں عیب نہ نکالے اور جب کوئی چیز فروخت کرے تو اس کی (بے جا) تعریف نہ کرے اور دھوکہ (فریب) نہ دے اور اس معاملے (خرید و فروخت) میں قسمیں نہ اٹھائے۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم نے امت کو اپنی کمائی کو پاکیزہ کرنے اور اس میں برکت پیدا کرنے کے لیے کچھ باتیں بتائیں ہیں۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز خریدنے کے لیے بازار جائے تو جو چیز وہ خریدے، اس میں عیب نہ نکالے بلکہ اگر خریدی ہو تو خرید لے اور اگر نہیں تو وہاں سے خاموشی سے ہٹ جائے۔ دوسری بات یہ کہ اگر کوئی چیز بیچنے لگے تو جو خصوصیات ہوں، صرف وہ سچ سچ بیان کرے نہ کہ اپنی اس چیز کی بے جا تعریف کرے کہ تعریف سن کر لوگ اس کو خرید لیں گے۔

تیسری بات اس حدیث میں ہمیں یہ بتائی گئی ہے کہ جب لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرو تو اس میں دھوکہ نہ دو بلکہ

صاف اور ستر معاملہ طے کرو۔ کوئی دھکی چھپی بات نہ کرو بلکہ سچی اور کھری بات کرو کیونکہ سچ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ بھی پسند کرتا ہے۔

آخری بات جو اس حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز فروخت کرنے لگے تو اس کے بیچنے میں گاہکوں کے سامنے قسمیں نہ کھائے، کیونکہ ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ”قسم کھانے سے مال تو بک جاتا ہے مگر برکت نہیں رہتی۔“ یہ بات اس قسم کے لیے ہے جو سچی ہو۔ لیکن اگر قسم جھوٹی ہو تو ایسے جھوٹے شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، وہ شخص نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل و خوار ہوگا۔

حدیث نمبر ۲۳:

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ بِإِسْنَادٍ عَنِ الْمُقَدَّادِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتَ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَأَقْتَلْتَا فَضَرَبَ أَحَدُكَ يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَأَذَمْتَنِي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسَلَمْتُ لِلَّهِ: أَأَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ لَا تَقْتُلُهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَهَا.

(البيخاری: كتاب المغازی) (المسلم: كتاب الايمان)

ترجمہ:

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی موقع پر میری کسی کافر سے ٹکرائے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مار کر کاٹ ڈالے، پھر وہ مجھ سے بھاگ کر درخت کی پناہ لے کر کہنے لگے ”میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا“ تو کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اس اقرار کے بعد پھر بھی میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم اسے قتل نہ کرنا، انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا ہے۔ اور یہ اقرار

میرے ہاتھ کاٹنے کے بعد کیا ہے؟ آپ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ اسے قتل نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اسے قتل کرنے سے پہلے جو تہار امتیاق تھا اب وہ اس کا مقام ہوگا اور تہارادہ مقام ہوگا جو اس کا مقام اس وقت تھا جب اس نے فکر کا اقرار نہیں کیا تھا۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں تاکید کی گئی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ان کے آپس میں حقوق و فرائض بھی متعین بھی کر دیے ہیں۔ ان حقوق و فرائض کی وجہ سے معاشرے میں نظم و ضبط اور امن و سکون قائم رہ سکتا ہے۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

☆ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔

☆ اپنے مسلمان بھائی کے مال پر ناجائز قبضہ نہ کرے۔

☆ اس کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں ایک مسلمان کی جان کی قدر و قیمت کی اہمیت بیان کی گئی ہے، یعنی ایک مسلمان بھائی کو قتل کرنا گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔ نبی کریم نے فرمایا ”جس نے کسی ایک مسلمان کو قتل کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا۔ ہمیں چاہیے کہ روزمرہ کے معاملات میں صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیں اور اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو گزند نہ پہنچائیں۔“



سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

الف۔ سیدہ بن حدیث سے کیا مراد ہے؟ عید نبوی میں مدینہ حدیث پر جامع نوٹ لکھیں۔

ب۔ کتب حدیث ”صحیحین“ پر جامع نوٹ لکھیں۔

ج۔ کتاب الکافی کے مختلف حصوں کا تعارف کرائیں اور اس کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالیں۔

د۔ جہاد فی سبیل اللہ پر حدیث نبوی کی روشنی میں ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔

۴۔ پڑوسیوں کی عزت، مہمان کی خاطر مدارت اور خاموشی کی فضیلت پر رسول اللہ کی احادیث مبارکہ کو مد نظر رکھتے ہوئے روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ صحیح بخاری کی اسلام میں کیوں زیادہ اہمیت ہے؟

ب۔ کتاب ”تہذیب الاحکام“ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ج۔ خبر مشہور سے کیا مراد ہے؟

د۔ صحیح حدیث کے کہتے ہیں؟

ه۔ وقت پر نماز کی ادائیگی کیوں ضروری ہے؟

و۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت پر ایک حدیث کا ترجمہ قلمبند کریں۔

ز۔ اسلام میں خاموشی اختیار کرنے کی کیا فضیلت ہے؟

سوال نمبر 3۔ درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ کس جنگ میں بہت زیادہ حفاظت کرام شہید ہوئے؟
 ا۔ جنگ بدر۔ ii۔ جنگ احد۔ iii۔ جنگ خندق۔ iv۔ جنگ یمامہ۔

ب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی شرائط لکھوا کر کس کو دی تھیں؟

ا۔ اسماعیل بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ii۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

iii۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ iv۔ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ۔

ج۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کون سی کتاب لکھی؟

ا۔ صحیح بخاری۔ ii۔ صحیح مسلم۔ iii۔ سنن ابوداؤد۔ iv۔ جامع ترمذی۔

اسلامی علوم اور مسلمانوں کی خدمات

باب
خشم

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ علم فلسفہ، علم کلام اور دیگر سائنسی علوم سے اس طرح باخبر ہو جائیں کہ ان علوم میں مزید پیش رفت اور جدیدیت کا حوصلہ پاسکیں۔

1. علم فلسفہ

اشیاء کے حقیقی اسباب کے علم کو فلسفہ کہا جاتا ہے۔ عربوں نے اس علم کو یونان سے حاصل کیا اور پھر اسے ادراج کمال تک پہنچایا۔
مسلمانوں کی خدمات:

مسلمانوں نے علم فلسفہ پر بہت سی تحقیقات کیں۔ اس دور میں اسلامی ممالک علم کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔ کئی مسلمان ماہرین علم فلسفہ نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ اس علم کی ابتداء یونان سے ہوئی مگر عرب مسلمانوں نے اس پر سیر حاصل تحقیقات کیں اور اسے ادراج کمال تک پہنچایا۔
مشہور مسلم فلاسفہ:

ماہی میں مسلمانوں میں بہت سے مشہور ماہرین فلسفہ گزرے ہیں، ان میں سے چند ایک کا تعارف درج ذیل ہے
یعقوب الکندی:

یعقوب بن اسحاق الکندی نویں صدی عیسوی میں دربار عباسی میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اسلام میں اس کے سوا فلسفی کے لقب سے کوئی

د۔ سنن ابن ماجہ کے مؤلف نے کس سن ہجری میں وفات پائی؟

iv-252ھ

iii-279ھ

ii-273ھ

i-303ھ

اکافی کے مصنف کون تھے۔

i- محمد بن یعقوب الکندی ii- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید iii- امام عبد الرحمن بن شعیب iv- امام ابو یوسف

د۔ حدیث شریف کے مطابق کون سا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا؟

i- والدین کا نافرمان ii- رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا iii- وقت پر نماز ادا نہ کرنے والا iv- جھوٹ بولنے والا

د۔ حدیث مبارکہ کے مطابق ایمان کا بہترین دوزیر کون ہے؟

iv- نماز

iii- چہار

i- عقل ii- علم

سرگرمی

معلم / معلمہ، طلباء / طالبات کو لائبریری لے جا کر ان سے کتب صحاح ستہ کا تعارف کروائے۔

اور ملقب نہ ہوا۔ وہ علم طب، ریاضی، فلسفہ اور منطق کا ماہر تھا اور اس نے مختلف علوم پر 282 کتابیں لکھیں جن میں سے بعض میں اس نے یونانی حکماء کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی۔

الفارابی:

مسلمانوں میں دوسرا مشہور فلسفی محمد ابو نصر الفارابی تھا اس نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ اور اسلامی تصوف میں استخراج پیدا کیا۔ اس کا لقب معلم مانی ہے۔ فلسفہ کے علاوہ اس نے سیاسیات پر فصوص الحکم ”رسالہ فی آراء اہل المدینہ والفاضلہ“ اور ”سیاست المدینہ“ جیسی بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ فارابی طب اور ریاضی میں بھی ید طولی رکھتا تھا۔

ابو یسین:

ان کا پورا نام ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا ہے۔ آپ بخارا کے قریب ایک گاؤں ”افشنہ“ میں ۹۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بخارا میں اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ انہوں نے اپنے دور کے مشہور فلسفی عبد اللہ سے منطق، فلسفہ اور دیگر علوم حاصل کیے۔ سترہ سال کی عمر میں انہوں نے ادویہ میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور اسی عمر میں انہوں نے شاہ بخارا نوح بن منصور کا علاج کیا جس کے علاج سے پورے ملک کے اطباء اور حکماء ناامید ہو چکے تھے۔ آپ نے اس کا کامیابی سے علاج کیا۔ اپنی تندرستی پر شاہ نے انہیں انعام دینے کی پیشکش کی مگر انہوں نے صرف شاہ بخارا کی منفرد لائبریری استعمال کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت ملنے پر لائبریری سے استفادہ کیا۔

وہ اپنے وقت کے مشہور اور حاذق طبیب، فلسفی، ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں زیادہ تر طب کے موضوع پر لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں آپ کی مشہور کتاب ”کتاب القانون“ ہے جو آج بھی مستند خیال کی جاتی ہے۔ وہ 1037ء میں ایران کے شہر ہمدان میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

ملا صدرا شیرازی:

ان کا پورا نام صدر الدین شیرازی ہے۔ مسلم دنیا میں گزشتہ چار سو سال میں یہ ایک اہم اور سب سے زیادہ اثر رکھنے والے فلسفی تھے۔ انہوں نے چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ایران میں سولہویں اور سترہویں صدی میں انہوں نے فلسفہ پر بہت کام کیا۔ صدر الدین نے فلسفہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے سب سے اہم کتاب ”الحکمة المتعالیہ فی الاسفار الاربعۃ العظیمہ“ ہے جو اس وقت کی طباعت میں نو جلدوں پر مشتمل ہے اور ان کے فلسفیانہ خیالات کی ایک مکمل پیشکش ہے۔

2. علم کلام:

علم کلام کی تعریف:

صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ علم الکلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ استدلال و براہین قائم کر کے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کر کے دینی عقائد کا اثبات کرے اور اس علم کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔ علم کلام کی اہمیت:

عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں علم الکلام وجود میں آیا۔ جب یونان کے عقلی علوم کی مسلمانوں میں اشاعت ہوئی تو لوگ شرع اسلامی کو عقل کے میزان میں تولنے لگے اور عقلی موضوعات نے راہ پائی۔ یہ لوگ مذہبی قیود کے بندھنوں سے آزاد ہو کر ہر چیز کو اپنی بحث و نظر کی آماجگاہ بناتے تھے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی فلسفیانہ تشریح و تعبیر اور فلاسفہ کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے علم کلام معرض وجود میں آیا۔ علم کلام سے واقفیت رکھنے والے علماء مشککین کہلاتے تھے۔

مسلم علماء اور مشککین میں امام غزالی کا مقام سب سے بلند و ارفع ہے۔ انہوں نے اپنی مستند کتابوں ”تہافت الفلاسفہ“ ”احیاء العلوم“ ”مقاصد الفلاسفہ“ اور ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں انہی موضوعات پر سیر حاصل اور فاضلانہ بحثیں کیں ہیں۔ مسلمان حکماء اور فلاسفہ کی تصانیف نے مشرق و مغرب کے افکار و نظریات کو متاثر کیا اور آج بھی ان کے نظریات عصر حاضر کے فلاسفہ اور حکماء کے لیے مشعل راہ ہیں۔

مشہور مکاتب فکر:

اشاعرہ:

ابوالحسن الاشعری جو کہ علم الکلام کے بانی سمجھے جاتے ہیں، نے اشاعرہ مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔ آپ 260 ہجری بمطابق 874 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ اشاعرہ مکتب فکر ایک نظریاتی مکتب فکر ہے۔ اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ اس مکتب فکر کی تعلیمات اور نظریات پر عمل کرتے ہیں۔ اشاعرہ مکتب فکر کے نظریات، معتزلی مکتب فکر کے نظریات سے اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ علم الکلام کے ابتدائی مکاتب فکر میں سے ایک ہے۔ آپ کی وفات 324 ہجری بمطابق 936 عیسوی کو ہوئی۔

ماتریدیہ:

ماتریدیہ مکتب فکر کے بانی ابو منصور ماتریدی کو خیال کیا جاتا ہے جو کہ علم الکلام کے بڑے عالموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ ماتریدی مکتب فکر کے پیروکار زیادہ تر فقہ حنفی کو مانتے ہیں۔ ماتریدیہ اور اشاعرہ مکتب فکر کے نظریات میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان دونوں مکاتب فکر کا اختلاف صرف چھ نظریات پر ہوتا ہے۔ آپ کی وفات 333 ہجری بمطابق 944 عیسوی کو ہوئی۔

معتزل:

معتزلی مکتب فکر کے بانی واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید ہیں۔ یہ علم الکلام کا سب سے پہلا مکتب فکر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد دوسری صدی ہجری میں رکھی گئی۔ اسے ایک مکتب فکر کے طور پر متعارف کروانے میں واصل بن عطاء المعتزلی نے بڑا کام کیا۔

مشہور مسلم متکلمین:

ابوالحسن الاشعری:

ابوالحسن الاشعری علم الکلام کے بانی تھے۔ انہوں نے مغربی علماء سے اکتساب کیا اور پھر انہی کے فلسفہ اور طرز استدلال کو ان کے خلاف اسلامی عقائد کے دفاع میں نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ وہ اشعری مکتب فکر کے بانی بھی تھے۔ تیسری صدی ہجری کے اخیر اور چوتھی صدی کے آغاز میں معتزلہ کا زور بڑی حد تک ٹوٹ چکا تھا۔ معتزلہ نے اعداء دین اور اہل بدعت کی تردید میں بڑی قابل قدر خدمات سر انجام دیں تھیں۔ جب ان کے رعب و دبدبہ کا ظلم ٹوٹ گیا تو اہل سنت کے علماء میں ایسے لوگوں کا وجود ابس ضروری ہو گیا تھا جو یہ فریضہ سر انجام دیں۔ ان حالات میں اس اہم کام کے لیے امام اشعری آگے بڑھے۔ حمایت دین کے باعث امام اشعری کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جانے لگا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں مقالات الاسلامیین، کتاب اللؤلؤ، کتاب الابانہ اور اصول الدین شامل ہیں۔

ابو منصور ماتریدی:

ابو منصور ماتریدی ایک مشہور مسلمان متکلم (ماہر علم الکلام) تھے۔ وہ ایران میں پیدا ہوئے۔ وہ اسلامی فقہ کے علماء کرام کے علمبرداروں میں سے ایک ہیں۔ ان کی دو تصنیفات ہیں جنہیں اس موضوع پر مستند سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے دور کے علماء کرام میں ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ انہوں نے ہی ماتریدیہ مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔

نظام معتزلی:

ان کا نام ابواسحاق ابراہیم بن سیار لصری ہے، امام حافظ معتزلی کے استاد تھے۔ فرقہ معتزلہ کے مشہور امام سمجھے جاتے تھے۔ اپنی علمی استعداد کی بناء پر انہوں نے ایسے افکار و عقائد کو ایجاد کیا جو اسلام کے بالکل متضاد تھے۔ ان کے عقائد میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علم و شریعہ قادر نہیں (العیاذ باللہ) اور انسان ظلم پر قادر ہے اور یہ بھی صراحت کی کہ اللہ تعالیٰ جہنم سے کسی کو خارج کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ تقدیر کے بارے میں ان کا عقیدہ ٹھیک نہیں تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ براہمہ (ہندوؤں) کے دین پر تھے جو نبوت اور دوبارہ زندگی سے منکر ہیں لیکن انہوں نے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ان کی مشہور تصانیف کتاب "الطفرۃ"، "الجواہر والاعراض"، "حرکات اہل الجنت"، "الوعید"، "النموۃ" وغیرہ ہیں۔ وہ نشر کی حالت میں ایک کمرے سے نیچے گر کر مقتوم باللہ یا واقع باللہ کے دور خلافت میں 227ھ میں فوت ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء 36/20)

3. سائنسی علوم:

تعریف اور اہمیت

سائنس (Science) کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ سائنٹیا (Scientia) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں علم۔ انگریزی زبان میں سائنس سے مراد وہ علم ہے جو تجربات اور مشاہدات کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ سائنس ایک وسیع علم ہے، اسے کسی خاص حد تک محدود رکھنا ممکن نہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے انسان کا علم بڑھتا جاتا ہے اور وہ نئے نئے تجربات سے دوچار ہوتا رہتا ہے، ویسے ویسے سائنس کے حدود بھی وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سائنسی علوم کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ علوم ذرات کے کیمیائی عمل سے دماغ کے عمل تک، ریاضی کے قوانین حرارت سے فضا کی معیشت تک، ستاروں کے معرض وجود میں آنے اور فنا ہونے سے پرندوں کی نقل مکانی تک، حساس خوردبین سے لکھناؤں تک، تہذیبوں کے ارتقاء و زوال سے ذروں اور کائنات کے ارتقاء و فنا تک پھیلے ہوئے ہیں۔

سائنسی علوم کے اسلامی مآخذ

اسلام نہ صرف سائنس کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کرتا ہے بلکہ سائنسی ترویج و ترقی کو فضاۃ الہی کی تکمیل قرار دیتا ہے۔ اسلام یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق بنی نوع انسان کی سودمندی کی غرض سے کی ہے۔ الہامی کتب خصوصاً قرآن مجید کی

وساطت سے انسان کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں ان سب کو انسان کے لیے سخر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(البقرہ: ۱۳۰)

ترجمہ: ”وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے سخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم روزی تلاش کرو اور شکار ادا کرو۔ اور جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں، ان سب کو تمہارے لیے سخر بنایا، بے شک ان باتوں میں غور کرنے والوں کے لیے بہترین دلائل ہیں۔“

قرآن مجید میں انسان کو بار بار کائنات اور اس کی اشیاء پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً

۱۔ سورۃ النحل آیت ۳۳ میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ”اور ہم نے تم پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں کو اس میں بتایا گیا ہے، تم اس کی وضاحت کرو اور وہ غور و فکر سے کام لیں۔“

۲۔ سورۃ ص آیت نمبر ۲۹ میں فرمایا گیا ہے:

كِتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

ترجمہ: ”ہم نے یہ مبارک کتاب تم پر اس لیے نازل کی کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور جو لوگ سبق حاصل کریں، وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔“

۳۔ گَذَلِك يَبَيِّنُ اللَّهُ إِلَيْهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (البقرہ: ۱۸۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے اس طرح تمہارے لیے نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ ان سے عقل حاصل کر سکو اور انہیں سمجھ سکو۔“

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۚ
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

(ال عمران: ۷۰)

ترجمہ: ”اور جو لوگ علم میں پختہ ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، یہ سب کچھ ہمارے رب کی جانب سے ہے

اور وہی نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔“

۵۔ أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۝ (الانعام: ۶۵)

ترجمہ: ”ذرا غور سے دیکھیے کہ ہم کس طرح اپنی نشانوں کو واضح طور پر پیش کرتے ہیں، تاکہ وہ سب حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔“

۶۔ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(الرعد: ۳)

ترجمہ: ”اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین کو پھیلا یا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں اور اس میں ہر قسم کے پھل پیدا کیے، جن کے جوڑے ہوتے ہیں، رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیا، غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان باتوں میں صاف نشانیاں ہیں۔“

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

(الروم: ۸)

ترجمہ: ”کیا انہوں نے کبھی غور و فکر نہیں کیا اپنے دلوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، صرف ایک مقررہ مدت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔“

۸۔ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ (البقرہ: ۲۶۶)

ترجمہ: ”اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے واضح نشانیاں پیش کرتا رہتا ہے، تاکہ تم ان پر سوچ بچار کرو۔“

قرآن پاک میں تخلیق کائنات کو مختلف زاویوں سے دکھایا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات کی اشیاء پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے لیے آسائشیں مہیا کرے اور حکمت الہی کا عرفان حاصل کرے، اس کا شکر یہ ادا کرے۔ قرآن نے انسان کو دنیا میں رہ کر ترقی کی منازل طے کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ مطالعہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین اسلام خود ایک سائنس ہے اور اس سائنس کی روح احکامات الہی ہیں، قرآن مجید مادی، روحانی اور سائنسی دنیا میں ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کے مطابق غور و فکر کرنے والے مسلمانوں نے عملی طور پر سائنسی دنیا میں کار

ہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں بلکہ اسلام اور قرآن مجید خود موجودہ سائنس کے مآخذ ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے یہ خیال عام تھا کہ سائنس کی ترقی صرف یورپی اقوام کی مرہون منت ہے۔ رفتہ رفتہ علمی حلقوں میں یہ حقیقت تسلیم کی گئی کہ غیر یورپی اقوام نے بھی سائنس کی ترقی میں اہم حصہ لیا ہے۔ مصر، جنوبی امریکہ، چین اور ہندوستان کی قدیم تہذیبوں سے سائنسی پہلو کو اب تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ البتہ اسلام کے زیر سایہ عربوں نے قدیم سائنسی ورثے کو سنبھالا، اسے یورپ تک منتقل کرنے اور خود اس ورثے میں نئے اور اہم اضافہ کرنے کا جو تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس کی واقعی قدر و قیمت کو تسلیم کرنے میں تعصبات اور تنگی نظری حائل رہی ہے۔ اب پورے پائپے حقائق سامنے آئے ہیں کہ تنگ نظری کے باوجود تاریخی واقعات کو تسلیم کرنا پڑ رہا ہے اور علمی طبقے مسلمان عربوں کے اہم ردول کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔

مسلمانوں کی خدمات

سائنسی علوم میں مسلمانوں نے نمایاں خدمات سر انجام دی ہیں۔ سائنس کی مختلف شاخوں میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات درج ذیل ہیں۔

معدنیات:

علم معدنیات سے مسلمانوں کی دلچسپی کا آغاز اس وقت ہوا جب ارسطو کی تصنیف ”معدنیات“ کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ سب سے پہلے مسلمان کیما دان جابر بن حیان نے ۸۱۳ء میں کیمیا، المعادن، کتاب الجواهر اور رسائل فی الحجر کے ناموں سے معدنیات کے موضوع پر تین کتابیں تصنیف کیں۔ حجریات یا معدنیات کے موضوع پر مسلمانوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ عطار بن محمد الکاتب نے اپنے گھر میں پتھروں کی مختلف اقسام جمع کر کے ان کی ماہیت اور خصوصیات پر تحقیق کی اور اپنے تجربات ایک تصنیف ”الجواهر والاخبار“ میں قلمبند کیے (۳)۔

ماسون الرشید کے عہد خلافت میں ”بیت الحکمۃ“ کے ایک رکن ابو طیب سندی بن علی نے اصلی اور نقلی دھاتوں میں تیز کے لیے Specific Gravity معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ ابو یوسف یعقوب کندی نے فولاد اور اسلحہ سازی پر کئی رسالے تصنیف کیے۔ ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ بصری نے معدنیات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی۔ ابو بکر رازی کی تصنیف ”کتاب الاسرار“ کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بوعلی سینا، البیرونی، شرف الدین ابو بکر احمد بن یوسف، نصیر الدین طوسی، محمد ابن شاذان، محمد ابن احمد انجمی،

ابن مسکویہ، محمد ابن منصور الشیرازی، ابو القاسم کاشانی، شیخ علی خزین، امام احمد، سنجی بن محمد الغفاری کے نام لیے جاتے ہیں۔ مسلم پتین معدنی ذخائر کے لحاظ سے منفرد مقام رکھتا تھا۔ چین کے معدنی ذخائر سے سونا، چاندی، ٹین، پارہ، لوہا، تانبا، سیسہ، پتھر کی وغیرہ نکالا جاتا تھا۔

نباتات:

نباتات پر مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری میں توجہ دی۔ سب سے پہلے جابر بن حیان نے کتاب ”الحدود“ میں نباتات اور زراعت پر بحث کی ابتداء کی۔ اسی دور میں عبدالملک اصمعی نے کتاب ”النبات والاشجار“ تصنیف کی۔ ابو منصور موفق بن علی حروی عظیمحقق کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ساہا سال تک جڑی بوٹیوں کی تلاش میں دور دراز علاقوں کے سفر کیے اور وسیع تجربات اور تحقیقات کو جمع کیا۔ انہوں نے پانچ سو چوراسی دواؤں کا ذکر کیا ہے۔

بغداد کے ماہر امراض چشم علی بن عیسیٰ نے اپنی کتاب ”مذکرۃ الکحالیین“ میں آنکھ کے علاج میں کام آنے والی ایک سو پینتالیس مفرد دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے نام دیے ہیں۔ ان کے ہم عصر مشہور طبیب شیخ بوعلی سینا نے اپنی تصنیف ”القانون فی الطب“ کی دوسری کتاب میں آٹھ سو دواؤں کی تفصیل حروف تہجی کے اعتبار سے دی ہے۔ شیخ کے معاصر البیرونی نے اپنی تصنیف ”الصيد فی الطب“ میں عربی حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق سات سو بیس مقالات کے تحت مفرد دواؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔

چین کے اولین ماہروں میں نامور طبیب عرب بن سعد الکاتب القرطبی، ابن جلیجل، محمد بن ابراہیم البیصال، احمد بن محمد جاج الاشہلی، علی ابن اللوقہ، محمد بن مالک الطغغزی اور الحاج الفرناطی وغیرہ شامل ہیں۔ (۴)

ابن بلجہ اور ابو جعفر محمد الغافقی کا نام بھی اپنے کارناموں کی وجہ سے مشہور ہے۔ رشید الدین الصوری اور ابن البیطار نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ابن البیطار کی کتاب ”جامع المفردات الادویہ“ مرتب کی۔ ان کی یہ کتاب پانچ سو سال تک یورپ میں نباتات کے موضوع پر مستند کتاب بنی رہی۔ (۵)

حیوانات:

سائنس کی دوسری شاخوں کی طرح مسلمانوں نے علم حیوانات کے شعبے میں درخشاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ جن کی تاریخ صحرائے عرب سے شروع ہوتی ہے۔ حیوان شناسی میں عرب یونانیوں کی بجائے اپنے ماحول کے مرہون منت ہیں۔ جس نے ان پر اونٹ، گھوڑے اور بکری کی اہمیت واضح کر دی تھی۔ وہ عرب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اونٹ کو انسان سے مانوس کر کے

اسے بار برداری کے لیے استعمال کیا۔ جوان کی حیوان شناسی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ابوعبیدہ معمر بن بشی (۷۲۸ء تا ۸۲۳ء) نے حیوانات کے موضوع پر ایک سو کتابیں تحریر کی ہیں۔ ابتدائی دور میں ماہر حیوان شناس عبدالملک احمسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو اپنے زمانے کے بہت بڑے ماہر حیاتیات گذرے ہیں۔ انہوں نے حیوانات کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں ”کتاب الخیل“، ”کتاب الابل“ اور ”کتاب الوحش“ قابل ذکر ہیں۔ عرب ماہرین حیاتیات میں جاحظ (متوفی ۸۶۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیف ”کتاب الخیوان“ معروف ہے جس میں اگرچہ یونانی اثر ہے مگر بنیادی طور پر وہ ایک عربی تصنیف ہے۔ اخوان الصفا نے اپنے رسائل میں حیوانات کی درجہ بندی کر کے اس علم کو آگے بڑھایا۔ مفکرین اسلام میں کندی نے حیوانات کے موضوع پر کئی رسالے تصنیف کئے ہیں۔ ان کے بعد فارابی نے علم حیاتیات کو طبعیات میں شمار کر کے اس کی سائنسی اہمیت اجاگر کی۔ ابن سینا نے حیوانوں کی نفسیات پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ ان کے معاصر ابن مسکوی نے ارتقاء کا نظریہ پیش کر کے حیوانات کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ چین کے ابن ہجے نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ ان کے بعد ابن رشد نے ارسطو کی دو کتابوں کی شرح لکھی۔ ابولقاسم الجرجانی نے بھی ”نسل الخیوان“ کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ حیوانات کے موضوع پر ادیبوں، سیاحوں اور ملاحوں نے بھی معلومات فراہم کی ہیں۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ الدینوری اور معروف جہاز دان بزرگ بن شمر یار شامل ہیں۔ شرف الزماں الطاہر المروزی، ذکریا ابن محمد القزوینی بھی مشہور ماہر حیوانات ہیں۔ مشہور جغرافیہ دان اور مورخ شمس الدین الدمشقی، نور الدین محمد عوفی اور محمد اللہ مستوفی القزوینی نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ محمد بن موسیٰ بن عسلی بن علی الدیمیری اور محمد بن عبدالکریم الصاوی نے بھی حیوانات کے موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے شکار کے فن کو ایک مکمل ادارے کی حیثیت دی۔ مغل بادشاہوں میں بانی سلطنت ظہیر الدین بابر (المتوفی ۱۵۳۰ء) کی خود نوشت سوانح ترک باری حیوانات کے موضوع پر بہت اہم ہے۔ اس میں پرندوں، جانوروں اور آبی جانوروں کے متعلق دلچسپ اور کارآمد باتیں ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں نے ہاتھیوں کو سدھانے پر خاص توجہ دی ہے۔ جس کے لیے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ہاتھی ”مولا بخش“ کی مثال کافی ہے۔ اسلام نے وحشی انسانوں کے ساتھ ساتھ وحشی درندوں کو بھی مہذب بنایا ہے۔ پہلے وحشی انسان مہذب ہوئے۔ جب انہوں نے درندوں کو تہذیب سے آراستہ کیا۔ خلیفہ المقتدر عباسی کے عہد (۹۵۸ء) میں فوج کے ایک دستے کی سربراہی کے ساتھ ساتھ ایک سوئیر بھی مارج کر تھے۔ ان کے ایک بیوی یا بیٹا کے مقابلہ لگاتے ہیں ”تقریباً ایک ہزار سال تک سائنس یورپ میں خوابیدہ تھی۔ عرب جنہوں نے نویں صدی عیسوی تک اپنا اندازہ چین تک وسیع کیا تھا۔ سائنس کے لحاظ بن گئے اور دوسرے علوم کی طرح حیاتیات پر بھی انہیں غلبہ تھا“

مسلم ماہرین کو جو چیز یونانیوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کا براہ راست مطالعہ اور مشاہدہ ہے یونانی مفکرین افکار و نظریات کے بادشاہ تھے۔ مگر عملی دنیا سے انہیں سروکار نہ تھا۔

علم طبعیات:

علم طبعیات میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اس میدان میں بہت بڑے بڑے مسلمان سائنسدان گزرے ہیں، ان میں الکندی، جاحظ، ابوریحان البیرونی اور عبدالرحمن بن نصیر شامل ہیں۔ یہ تمام اشخاص اپنے اپنے دور میں علم طبعیات کے بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ مثلاً یعقوب بن اسحاق الکندی ایک جامع الکمالات انسان تھے۔ جنہوں نے علم طبعیات پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں سے پندرہ علم مناظرہ پر ہیں۔ بہت سی کتابیں وزن مخصوص، ہوجز را و علم المہر پر ہیں۔ مشہور مسلمان ماہر طبعیات ابوریحان البیرونی نے علم طبعیات میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے زمین کا قطر معلوم کیا۔ ان کے معلوم کردہ قطر اور موجودہ دور میں جدید آلات کی مدد سے معلوم کردہ قطر میں صرف 79 کلومیٹر کا فرق ہو سکا ہے۔

علم کیمیا:

یہ وہ علم ہے جس سے مختلف عناصر کو کیمیائی طریقہ سے ملا کر نئے مرکبات بنائے جاتے ہیں۔ کیمیا میں تجربے کا آغاز سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی کیا۔ مسلمانوں نے وہ نئے مرکبات متعارف کروائے جن سے یونانی ناواقف تھے۔ ان مرکبات میں گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور ماء الملوک وغیرہ شامل ہیں۔ جابر بن حیان کو علم کیمیا کا جد امجد خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے مفید کیمیائی نسخے تیار کیے۔ 100 سے زیادہ تصانیف چھوڑیں۔ مسلمانوں نے طب میں کیمیا کا استعمال کیا ہے اور کم و بیش تمام مسلمان کیمیادان طبیب بھی تھے۔ انہوں نے برف بنانے کا طریقہ بہت پہلے معلوم کر لیا تھا۔ انہوں نے روئی سے بنایا ہوا سستا کانٹریو پ پتھانیا نیز عربوں نے ہی ہمیں بارود سازی کی صنعت سکھائی۔ اگر ہماری معیشت پر عرب تہذیب کی یہ یادگاریں نہ ہوتیں تو ہماری ترقی اس سطح اور درجہ تک نہ پہنچتی۔

علم ریاضی:

موجودہ صدی میں سائنسی علوم میں بے پناہ تحقیق ہوئی ہے۔ تحقیق و ترقی کی اس دوڑ میں ریاضی دان بھی دیگر سائنس دانوں اور دانش مندوں کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے ہیں۔ بلکہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ماضی قریب میں سائنسی ترقی کا انحصار بہت حد تک ریاضی پر ہے۔

علم ریاضی عربوں کا مخصوص اور مقبول مضمون رہا ہے۔ کندی کا شمار اگرچہ حکماء اسلام میں ہوتا ہے لیکن اسے علوم ریاضی میں بھی مہارت حاصل تھی۔ علم ریاضی کی ایک اہم شاخ الجبر اکو بھی ایک عرب ریاضی دان محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے ایجاد کیا۔

علم طب:

علم طب میں بھی مسلمانوں نے بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ ماضی میں علم طب میں بہت سے مسلمان ماہرین گزرے ہیں جن میں ابوالقاسم ابن العباس الزہراوی ہے۔ زہراوی دنیائے اسلام کے سب سے بڑے سرجن گزرے ہیں۔ ان کی تصنیف ”التصریف“ جس میں آلات جراحی کے نقشے بھی دیے ہوئے ہیں، یورپ میں بہت مقبول ہوئی، ہسپتال کا رواج سب سے پہلے مسلمانوں میں ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے طب یونان سے لی تھی۔ لیکن یہ بات سو فیصد درست نہیں ہے۔ مسلمانوں نے یونانی کتب کے ترجموں سے استفادہ ضرور کیا لیکن ان علوم میں مسلمانوں نے نئی روح ڈالی۔ اس فن کو آگے چلایا۔ پہلے سے موجود غلطیوں کی اصلاح کی اور طب اور سائنس کو جو اس سے پہلے محض نظریات تک محدود تھی اور اس کے صحیح یا غلط ہونے کے یکساں امکانات تھے تجربات سے کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا اور صحیح نظریات کو واضح کیا چنانچہ موجودہ طب مسلمانوں کی طب کی بنیاد پر قائم ہے۔

علم فلکیات:

علم فلکیات اسلامی علوم کا ایک بنیادی علم ہے۔ اس علم میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ مسلمانوں نے ہندو اور یونانی علوم سے استفادہ کیا۔ ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مختلف ہندی اور یونانی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کیا اور تحقیقات کے شعبے میں غلط نظریات کی نفی کی اور حقیقی علم جس کے پس منظر میں تجربہ کار فرما تھا باقی رکھا۔ یہ علم تجربات سے حاصل ہونے والی ان معلومات کا ماحصل ہے جو بذریعہ حساب یا رصدگاہوں کے آلات کی مدد سے شب و روز کے تعین کے لیے ضروری ہے۔ مسلمانوں نے اس اعتبار سے بطور خاص اس علم کا مطالعہ کیا کہ ان کو شب و روز میں پانچ وقت نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ وسط ایشیاء سے لے کر بحیرہ روم تک دمشق، شرقہ، قاہرہ، فارس اور قرطبہ تک ماہرین بیت کا جال پھیلا ہوا تھا۔ بغداد کے علاوہ قاہرہ اور اندلس میں بھی علم بیت کے مدارس قائم تھے۔ بغداد اور دمشق کی رصدگاہوں میں جو مشاہدات ہوئے انہیں کتابی شکل میں بھی مرتب کیا گیا۔ ان رصدگاہوں نے جو تحقیقات کی گئیں وہ انتہائی طور پر درست تھیں۔

غزنی بھی بیشتر علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ مصر میں فاطمی خلفاء کے عہد حکومت میں علم فلکیات کے مطالعے میں خاصا اضافہ ہوا۔ مختلف خلفاء نے اس پر خصوصی توجہ دی اور سرکاری خزانے کی ایک خطیر رقم رصدگاہ کے لیے مختص کی۔ سلجوقی سلاطین نے اپنے ہاں متعدد بیت دان جمع کیے اور ان کے مشاہدات کے لیے ملک شاہ سلجوقی نے نیشاپور میں ایک

رصدگاہ قائم کی۔ ان میں شمس سال کی لمبائی کا صحیح تخمینہ لگایا گیا۔ اسی رصدگاہ میں الخازن نے اپنی قابل قدر جدول مرتب کی۔ اسی طرح بطحانی خاندان نے بھی ایک عظیم رصدگاہ قائم کی جس میں منتخب بیت دان کام کرتے تھے۔

زراعت و باغبانی:

قرون وسطیٰ میں ہی عرب زراعت کے اصولوں سے واقف تھے۔ اندلس اور سسلی کے لوگوں نے کپاس، خوبانی، ناشپاتی، چاول، تربوز اور بیٹنگ کو بحیرہ عرب کے قرب وجوار کے علاقے میں رواج دیا۔ زراعت میں مسلمانوں نے سیکڑوں کتابیں بھی لکھیں۔ عربی زبان زراعتی اصطلاحات سے مالا مال ہے۔

باغبانی اور کاشتکاری مسلم امت میں انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ علم نباتات کی تعلیم کے لیے قرطبہ، بغداد اور قاہرہ میں باقاعدہ نباتاتی باغ لگائے گئے تھے جن میں ہر قسم کے تجربے کیے جاتے تھے۔

مسلمانوں نے علم نباتات میں خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس میں انہوں نے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر خاصی روشنی ڈالی ہے۔

★ زراعی اراضی کی اقسام

★ زراعت کے لیے زمین کا انتخاب

★ کھاد کا استعمال اور فوائد

★ زراعت میں استعمال ہونے والے آلات

★ پھلدار درختوں کی شجرکاری اور پیوندکاری

★ پھلوں کی مختلف اقسام، خوشبودار پھول جن سے عطر وغیرہ کشید کیا جاتا ہے۔

★ ایسے درخت دریافت کیے جن سے مختلف قسم کی گوند حاصل کی جاتی ہے۔

★ نباتات کے اصلی وطن ان کے اگنے کے لیے زمین کی نوعیت اور مختلف علاقوں کی مختلف ترکاریوں اور پودوں

کے بارے میں معلومات

عرب اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ کس طرح فصلوں کو بدل کر کاشت کرنا چاہیے۔ اندلس میں بعض ماہرین کے پاس نباتاتی باغات اور آزمائشی کھیت ہوا کرتے تھے جہاں وہ ہر وقت مختلف پودوں وغیرہ پر تحقیقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ باہر سے لائے گئے پودوں پر بھی تحقیقات کی جاتی تھیں تاکہ ان کے لیے موزوں موسم اور زمین کا پتہ چلایا جاسکے۔

زراعت میں مسلمانوں کی کتابیں ان کے ذاتی مشاہدات پر مبنی تھیں۔ اس وقت دنیا کی مختلف لائبریریوں میں مسلمانوں کی

جو کتابیں اس موضوع پر ملتی ہیں وہ زراعت کی تمام شاخوں پر مشتمل ہیں۔ اور وہ نصابی کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے مصنفین اپنے زمانے کے زراعت کے ماہرین تھے۔ اس طرح ان کی کتابوں کی تاریخی اعتبار سے بھی ایک اہم حیثیت ہے۔ تعنیف و تالیف کے بڑے بڑے مراکز قرطبہ، طلیطہ، اشبیلیہ اور غرناطہ تھے۔

فن تعمیر:

فن تعمیر کسی قوم یا ملک کا صحیح عکس ہوتا ہے۔ اسلامی عمارتوں میں سادگی کے ساتھ ساتھ دلکشی اور دل فریبی ہر قدم نمایاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے یہاں مسجد اور مکان تعمیر کیے۔ بیک وقت مذہبی اور فنی دونوں قسم کے طرز تعمیر کی بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔ مسلمان معماروں نے اپنی تعمیرات میں بہت جلد کمال کی فنی حیثیت کا اندازہ کر لیا جو آگے چل کر مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک حصہ بن گئی۔ مسلمانوں کے فن تعمیر کا ہر ایک نمونہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تعمیر کے ساتھ زیب و زینت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ خصوصاً مسجد کے اندرونی حصہ کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھاندر رکھی۔

فلسفہ:

ایک مشہور فرانسیسی مورخ لکھتے ہیں کہ ”قرون متوسطہ میں یورپ کے مدارس فلسفہ کے جن کتابوں کا درس دیا کرتے تھے وہ سب فلاسفہ عرب کی تالیفات سے خوشہ چین ہو کر تالیف ہوتی تھیں۔“ مسلمان یونانی فلسفیوں کی کتابوں سے مامون الرشید کے عہد میں آشنا ہوئے جب خلیفہ نے قیصر روم سے یونانیوں کی کتابیں منگوائیں اور ان کا ترجمہ عربی میں کرایا۔ ان ترجموں پر نظر ثانی کا کام جس شخص کو تفویض کیا گیا وہ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی تھے۔ کندی پہلے شخص تھے جنہوں نے ”فلسفی“ کا لقب پایا۔ کندی نے فلسفے پر بیس کتابیں لکھیں۔ جن میں کم و بیش پندرہ کتابیں محفوظ ہیں۔ کندی نے فلسفہ کے علاوہ طب، ریاضی، موسیقی، طبیعیات، مریات، فلکیات، موسمیات، نفسیات، جدلیات اور دوسرے موضوع پر کتابیں لکھیں۔

فارابی کو فلسفہ، طب، ریاضی، موسیقی، طبیعیات، سیاسیات اور فلکیات سے شغف تھا ان علوم میں ان کو دسترس حاصل تھی۔ وہ دنیا کی ستر زبانوں کے ماہر تھے۔ فارابی نے ۱۱۴ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں تقریباً پچاس کا تعلق فلسفہ اور منطق سے ہے۔ فارابی نے فلسفہ یونان کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی یہ کام ان سے پہلے کندی نے شروع کیا تھا۔ فارابی کے بعد مشرق کے مسلمانوں میں سب سے بڑے فلسفی ابن سینا ہیں۔ ابن سینا کے افکار نے یورپ کو بہت متاثر کیا ہے۔ ان کی کتاب ”الشفاء“ کا ترجمہ

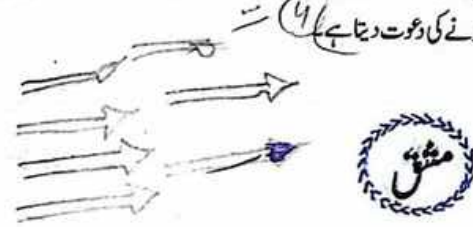
بارہویں صدی میں لاطینی میں کیا گیا۔ جس شخص نے مشرق میں فلسفہ یونان کی ساری عمارت زمین بوس کر کے رکھ دی اس کا نام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی تھا۔ جو آگے چل کر جتہ الاسلام امام غزالی کہلائے۔ امام غزالی کی تصنیفات میں سب سے اہم کتاب ”احیاء علوم الدین“ ہے جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ فقہ، منطق، کلام اور تصوف و اخلاق کے موضوعات پر انہوں نے آشتی سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام غزالی کے بعد مسلمانوں میں چوٹی کے سائنسدان پیدا ہوئے۔ جن میں الادریسی، نصیر الدین طوسی، قطب الدین اشیرازی، کمال الدین فارسی، ابن النفیس، ابن شاطر، جمشید کاشی، قاضی زادہ رومی وغیرہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے فلسفہ کو بارہ زندگی بخشی ان میں ابن ماجہ، ابن رشد اور ابن طفیل شامل ہیں۔ سین میں مسلم فلسفے کا آغاز ابو بکر محمد ابن نجی المعروف بہ ابن الصالح ابن ماجہ سے ہوا۔ ابن طفیل غرناطہ کے شمال میں چالیس میل دور وادی آش میں پیدا ہوئے۔ ابن طفیل فلسفہ، طب، ریاضی اور فلکیات کے ماہر تھے۔ ابن رشد ۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ ابن رشد نے ارسطو کے شارح کی حیثیت سے بہت شہرت پائی۔ ابن رشد کی فلسفیانہ تحریروں میں ”فصل المقال فیما بین الحکمتہ والشریعہ من الاتصال“ اہم کتابیں ہیں۔

تاریخ نگاری:

قرآن مجید میں کچھلی امتوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے ان قوموں کے حالات سے واقف ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ قرآنی واقعات کی تحقیق کا جذبہ ہی مسلم تاریخ نگاری کے لیے اولین محرک ثابت ہوا علاوہ ازیں خود سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مغازی نے بھی اس تاریخ کی ترقی میں اہم رول ادا کیا۔ حدیث، تاریخ اور سیرت نگاری میں مسلمانوں کا سب سے عظیم کارنامہ فن اسماء الرجال ہے یہ وہ فن ہے جس میں احادیث و سنن کی صحت معلوم کرنے کے لیے راویوں کی جانچ پرکھ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے بعد اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ اس لیے محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث میں صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کے لیے یاد دہانے لفظوں میں احادیث کی صحت و سقم جاننے کے لیے راویوں کے حالات معلوم کرنے کا فن ایجاد کیا جو فن اسماء الرجال کے نام سے مشہور ہوا اس فن کا قائد یہ ہوا کہ ایسے تقریباً ہزار افراد کے حالات تاریخ میں محفوظ ہو گئے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین میں سے ہزاروں راویوں اور پھر ان سے روایات کرنے والوں کے حالات بھی اس فن کی بدولت تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق فن اسماء الرجال سے جن لوگوں کے حالات محفوظ ہو گئے ہیں ان کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہ گذری اور نہ باقی ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا فن ایجاد کیا ہو۔ اس فن کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک ایک لمحہ تاریخ کی روشنی میں محفوظ ہو گیا۔

★ مذہبی تعصب:

بعض نام نہاد علماء نے یہ تاثر دیا کہ سائنسی علوم غیر اسلامی ہیں اس لیے ان کا حاصل کرنا گناہ ہے۔ اسی تصور کی بنا پر آنے والی نسلیں سائنسی علوم سے دور ہوتی چلی گئیں۔ حالانکہ اسلام اور سائنس آپس میں متصادم نہیں ہیں، اسلام نہ صرف سائنسی علوم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اس میدان میں آگے بڑھنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے (۱)۔



سوال 1: درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں

- الف۔ سائنسی علوم کی ترقی میں مسلمانوں کی خدمات پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔
 ب۔ سائنسی علوم کے اسلامی مآخذ کون سے ہیں؟ قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کریں۔
 ج۔ مسلمانوں نے علم کے ہر میدان میں دنیا کی رہنمائی کی۔ بحث کریں۔
 د۔ عہد حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پسماندگی کے کیا اسباب ہیں؟
 و۔ مشہور مسلمان سائنسدان جابر بن حیان نے جدید سائنس کی بنیاد رکھی۔ اس بیان کی صداقت کا جائزہ لیں۔

سوال 2: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

- الف۔ علم فلسفہ سے کیا مراد ہے؟
 ب۔ علم طبیعیات اور ریاضی میں کن مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا؟
 ج۔ ”سیاست مدینہ“ کس کی تصنیف ہے؟
 د۔ بوعلی سینا نے کن کن علوم میں کمال حاصل کیا؟
 و۔ جابر بن حیان کی کیمیائی ایجادات کے نام تحریر کریں؟
 ز۔ ابن الہیثم کی کتابوں کے نام لکھیں؟
 ح۔ ابو منصور ماتریدی کن علوم کے ماہر تھے؟

اشاعرہ مکتب فکر کی بنیاد کس نے رکھی؟

معتزلہ مکتب فکر کے کوئی سے دو علماء کے نام لکھیں۔

سوال 3: درج ذیل سوالات کے مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ یعقوب الکندی نے تقریباً کتنی کتابیں لکھیں؟

282-i ✓

382-ii

482-iii

582-iv

ب۔ ”الحکمة المتعالیة فی الاسفار الاربعة العقلیة“ کس کی کتاب ہے؟

۱۔ الفارابی

۲۔ بوعلی سینا

۳۔ الکندی

۴۔ صدرا شیرازی

ج۔ الکندی، جاحظ، بنو دقین، البیرونی اور الرازی نے کس علم میں نمایاں کردار ادا کیا؟

۱۔ کیمیا

۲۔ ریاضی

۳۔ طبیعیات

۴۔ طب

د۔ ابو منصور ماتریدی کہاں پیدا ہوئے؟

۱۔ ایران

۲۔ بخارا

۳۔ مصر

۴۔ عرب

ه۔ بوعلی سینا نے کتنے سال کی عمر میں ابن منصور کا علاج کیا۔

۱۔ 17

۲۔ 18

۳۔ 19

۴۔ 20

و۔ جابر بن حیان نے کتنی کتابیں لکھیں؟

۱۔ 100

۲۔ 150

۳۔ 200

۴۔ 50

ز۔ عمل جراحات پر کتاب ”التصریف“ کس نے لکھی ہے؟

۱۔ بوعلی سینا

۲۔ ابن ہرادی

۳۔ الفارابی

۴۔ ابن الہیثم

ح۔ مسلمانوں کے تیار کردہ کس چیز کے برتن چینی کے برتنوں پر سبقت لے گئے

۱۔ کانسی

۲۔ مٹی

۳۔ چاندی

۴۔ پتھر

سرگرمی

معلم / معتمد، طلباء / طالبات کو جوڑوں میں تقسیم کر کے عصر حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پستی کے اسباب معلوم کروائیں۔

باب
ہفتم

اسلامی تہذیب و تمدن (تعارف و اہمیت)

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:
وہ تاریخی تناظر میں اسلامی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کو جان سکیں تاکہ عصر حاضر میں امت مسلمہ
کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کی تحریک پاسکیں۔

تہذیب و تمدن کا مفہوم و معنی:

تہذیب کے لفظی معنی کائنات چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنوں میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ اب
یہ لفظ طرز زندگی اور طریق معاشرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ہر قوم ایک مخصوص طرز زندگی اور جداگانہ عادات و اطوار کی مالک ہوتی ہے جو اسے دوسری اقوام سے ممتاز کرتی ہے، اسی
ظاہری شکل و صورت کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ گویا کہ ایک قوم کے وہ خدوخال جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کریں، اس کی تہذیب
کہلاتی ہے۔

اسلام میں دین تہذیب کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے اپنے تمام جذبات، افعال، طرز رہائش، عادات و اطوار، طریق زندگی اور
معیشت و معاشرت کو دین کے تابع بنانے کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ پس اسلامی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے جو اسلام کے بنیادی
نظریات اور اسلامی عقائد کی پیروی اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے انقلابی ارشادات اور حکیمانہ تعلیمات کے ذریعے جو
دینی و عملی انقلاب پیدا کیا، اس کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے درخشاں پہلو تاریخ اسلام میں ملتے ہیں اور بعض اوقات وہ
اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے مثلاً عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلافت راشدہ ۲

اسلامی تہذیب کی خصوصیات:

۱۔ توحید:

اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریہ توحید پر استوار کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور حکومت میں اس کا
کوئی شریک نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اسی کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب میں شرک اور بت پرستی
کی کوئی جگہ نہیں۔

۲۔ اخلاقی تہذیب:

اسلامی تہذیب میں اخلاقی تزکیہ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ گویا اس تہذیب کا مزاج مذہبی بھی
ہے اور اخلاقی بھی۔ اسلامی تہذیب کے معلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز دعوت ہی سے اخلاق و کردار کو سنوارنے پر زور
دیا جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے
بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات و تعلیمات کی تحقیق کے لیے مکہ بھیجا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ

”میں نے اس کو دیکھا کہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے“۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر ص: 447/1)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں جو اخلاقی انقلاب برپا کیا اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔
۳۔ سادگی:

اسلامی تہذیب کی ایک امتیازی خصوصیت عیش و عشرت سے بیزاری ہے۔ اسی لیے اسلام نے روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو
گہریت رکھا۔ اسے ایمان کی علامت بتایا اور تاکید کی کہ سادہ کھاد، سادہ پہنو، تکلف، فضول خرچی اور عیاشی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسباب زوال میں شمار کیا ہے۔ اسلامی معاشرے سے رشوت کو ختم کرنے
کے لیے سادگی ایک درست حل ہے۔

۴۔ دین و دنیا کی وحدت:

اس تہذیب نے دین و دنیا کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا جو مختلف تہذیبوں میں رائج ہے۔ اپنی دنیاوی بہتری سے غفلت برتنا
اور یہ سمجھنا کہ انسان اپنی آخرت سنوار رہا ہے غلط ہے۔ یہ تہذیب سکھاتی ہے کہ دنیاوی و اخروی دونوں کی اصلاح ضروری ہے اور ان میں
کے کو بھی ترک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تہذیب انسان کی دنیاوی فلاح کی اتنی ہی ضامن ہے جتنی اخروی فلاح کی۔ اس لیے مسلمان کو جو دعائیں
سکھانی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہترین بھلائی دے۔ (سورۃ البقرہ: 201)

۵۔ جامعیت:

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت جامعیت ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور دین اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔ اس تہذیب کا اپنے علمبرداروں سے مطالبہ ہے۔ ”اے اہل ایمان! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔“ (البقرہ آیت: 208) اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان اپنے کل معاملات میں خدا کی پیروی کرنے والا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ اخوت و مساوات:

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اخوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں (حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے) صحیح بخاری 6011۔ مسلم 6751

اسی طرح اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ یہ مساوات حقوق و فرائض کی مساوات ہے۔ ہر وہ شخص جو توحید و رسالت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس تہذیب کا رکن ہے، کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ رنگ، نسل اور وطن کا کوئی امتیاز نہیں۔ اگر کوئی وجہ امتیاز ہے تو وہ صرف پرہیزگاری ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے: ”تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔“ (الحجرات: آیت 13)

۷۔ روادار تہذیب:

اس تہذیب کا ایک امتیاز اس کی حیرت انگیز مذہبی رواداری ہے۔ جو کسی ایسی تہذیب میں نہیں پائی گئی جو دینی بنیادوں پر قائم ہو۔ تہذیب اسلامی نے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ مذہبی رواداری اور اخلاقی بردباری کا نمونہ پیش کیا۔ قرآن مجید میں واضح گفٹ الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ”مذہب میں کوئی جبر نہیں۔“ (البقرہ آیت 256)

۸۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اس تہذیب میں ایک خوبی ایسی ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری تہذیب نہیں کر سکتی کہ یہ تہذیب ایک ایسے ماحول کو جنم دیتی ہے جو نیکی کے لیے بڑا سازگار اور برائیوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس میں نیکیاں بھلتی پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔ نیکی کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کے لیے اس امت کو وجود میں لایا گیا۔ اس فریضے کی تکمیل کی بنا پر یہ ملت ”خیر الامم“ کے عظیم لقب سے نوازی گئی۔ پس یہ تہذیب ہر لحاظ سے فیض رسان، پر امن اور سکون بخش ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن کا فروغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلامی تہذیب و تمدن کا فروغ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت جون 632 عیسوی تا اگست 634 عیسوی بمطابق ربیع الاول 11 ہجری تا جمادی الثانی 13 ہجری تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی ریاست جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قائم کی تھی، سخت حالات کا شکار ہو گئی۔ ہر طرف بغاوتوں اور فتنوں کا زور دھڑکا۔ مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ثابت قدمی کے باعث ایک مرتبہ پھر تمام عرب ممالک کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ دیا۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی ریاست کا دوسرا بانی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

(حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغاوتوں کو ختم کر کے از سر نو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کا نظام مشورے پر رکھا۔ ہر اہم معاملے میں آپ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک کا نظام چلانے کے لیے ملک کو دس حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے کا ایک حاکم مقرر کیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال تعمیر کرایا لیکن خزانے میں دولت جمع نہیں کی۔
- ★ فوجی نظام کو باقاعدہ بنانے کے لیے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر دستے کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان تمام سپہ سالاروں پر ایک سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کا دور حکومت اگست 634 عیسوی تا نومبر 644 عیسوی بمطابق جمادی الثانی 13 ہجری تا محرم الحرام 24 ہجری تھا۔ اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت مختصر بھی تھا اور اس میں انہیں کئی قسم کے فتنوں سے نمٹنا پڑا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک طرف حکومت کو وسعت دی اور دوسری طرف مکمل نظام حکومت کی تشکیل کر کے اس کے مختلف اداروں کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یہ دور مثالی تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظام حکومت شخصی حکومت کے بجائے جمہوریت کے زیادہ قریب تھا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے ملک کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے ہر علاقے کے آفیسر مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکاری ملازمین کے احتساب میں کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ ان کے خلاف شکایات سنی جاتیں تھیں اور فوراً دوسری کی جاتی تھی۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال قائم کیا، اس کا دفتر بنایا، علمبردار رکھا اور لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاگیر داری نظام کو ختم کر کے بے زمین کاشتکاروں کو زمینیں دیں۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شخص کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور عدلیہ کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا حکم دیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امن و امان قائم کرنے کے لیے پولیس کے محکمے کی بنیاد رکھی۔
- ★ رفاہ عامہ کے لیے نہریں کھدوائیں، سڑکیں بنوائیں، پل تعمیر کروائے، مہمان خانے اور سرائیں بنوائیں۔
- ★ تعلیم لازمی قرار دی اور پورے ملک میں مکاتب و مدارس کا چال بچایا۔
- ★ باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی اور فوجی تربیت کے لیے اکیڈمی قائم کی۔
- ★ باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم کیا جس میں تمام امور و مملکت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔
- ★ غلاموں اور ذمیوں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا۔
- ★ آزاد خارجہ پالیسی کے خطوط تعین کیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

زنجب سے اسلام لے آئے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یکے بعد دیگرے نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا لقب ”ذوالنورین“ ہے۔ اہل مکہ کی اذیتوں سے تنگ آ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی مگر کچھ مدت کے بعد مکہ میں یہ افواہ پھیلی کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ واپس آ گئے، بعد میں جب ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت نومبر 644 عیسوی تا جولائی 656 عیسوی بمطابق محرم الحرام 24 ہجری تا محرم الحرام 36 ہجری تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے مقابلہ کے لیے بحری بیڑہ تیار کرایا۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں تعمیر و توسیع کی۔
- ★ زراعت کو ترقی دینے کے لیے آپ نے بہت سی نہریں کھدوائیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی طاقت میں اضافہ کیا اور فوجیوں کو مختلف سہولیات فراہم کیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے علاقے فتح کیے۔ ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی حکومت ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کی مشرقی سرحدوں تک وسیع ہو گئی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں دور دراز سے آنے والے تاجروں کے لیے مہمان خانے تعمیر کروائے۔
- ★ جدہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے بندرگاہ تعمیر کروائی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے مختلف نسخوں کو اکٹھا کر کے انہیں ایک ترتیب دی اور اس نسخے کی نقول کو تمام علاقوں میں بھجوا دیا گیا۔ قرآن مجید کی وہ ترتیب آج بھی قائم ہے اور مصحف عثمانی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، اور لقب حیدر تھا۔ آپ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کا دور خلافت 656 تا 661 عیسوی بمطابق محرم الحرام 36 ہجری تا ربیع الاول 41 ہجری تھا۔ ایمان لانے کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی۔

ملوکیت کے اثرات و نتائج:

دین و سیاست میں علمی تفریق ہوگئی۔ حکمران علم اور دین میں کوئی خاص مقام نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے علماء اور اہل دین کی ضرورت ان کو پڑتی رہتی تھی۔ جب بھی انہوں نے علماء اور اہل دین سے مشورہ لیا اور جب چاہا تو انہوں نے ان کی بات قبول کی اور جب چاہا ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ اس لیے اہل دین اور اہل علم یا تو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے یا وقتاً فوقتاً ان کے خلاف خروج کرتے تھے اور بعض اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول ہو گئے۔

ارکان حکومت یہاں تک کہ خود خلفاء دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے۔ عیش و عشرت کی زندگی عام ہوگئی۔ تفریحات اور لہو لعب کا بازار گرم ہو گیا۔ دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی۔

فلسفیانہ موشگافیاں:

اس دور انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم مابعد الطبیعیات اور یونانیوں کی الہیات کی طرف توجہ کی اور اپنی بہترین قابلیت و ذہانت اس لا حاصل مشغلہ میں صرف کی اس انہماک نے ان کو علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا کہ کائنات کی طبعی قوتوں کو سمجھ کر تے اور پھر ان کو اسلام کے مقاصد کا نوکر بنا کر اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے۔

شرک و بدعات:

اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک و جہالت کے عقائد و خیالات اور دینی گمراہی پیدا ہونا شروع ہوئی اور مسلمانوں میں ایسی بدعات نے جنم لیا جنہوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین سے محروم کر لیا اور دین میں انسانی عقل نے دخل اندازی شروع کر دی اور لوگ خود ساختہ اعمال و رسومات پر عمل کرنے لگے اور دنیا و آخرت کی سعادت سے محروم ہو گئے۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار، اخلاقی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہو گیا اور اسلامی طاقت کا وہ مہیب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا، اوجھل ہو گیا اور وحشی قوموں اور حریف طاقتوں نے مسلمانوں کو زغہ میں لیا اور اسلامی ممالک ایک لادارث مال کی طرح ناقصین میں تقسیم ہونے لگے۔

حکومتی سرپرستی کا فقدان:

علوم و فنون سلاطین و امراء کی سرپرستی میں پھیلنے لگے۔ ابتدائی دور میں عباسی اور اموی خلفاء علوم و فنون میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے سائنسی علوم کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان علوم پر دولت کے دریا بہا دیے، جس کے نتیجے میں بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔ لیکن جب خلفاء اور سلاطین عیش و عشرت کی جانب مائل ہو گئے تو درباروں میں علماء و فضلاء کی جگہ مسخرے اور ناپچے گانے والے جمع ہو گئے۔ سلاطین و امراء نے علماء و فضلاء کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تو سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

حکومتوں کا نفاق اور زوال:

جب تک مسلمان آپس میں امن و اتحاد سے رہتے رہے، علوم و فنون بھی ترقی کرتے رہے، مگر جب مسلمانوں میں نفاق پیدا ہو گیا تو ایک متحدہ اسلامی ریاست کئی حصوں میں بٹ گئی اور کئی خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ریاستوں کے حکمرانوں نے علوم و فنون کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

علمی ذخیرہ میں کمی:

مسلمانوں نے بیش بہا علمی ذخیرہ جمع کیا تھا، جس میں سائنسی علوم پر صد ہا کتابیں لکھی گئیں تھیں، وہ سب ستوپ بغداد کی دہرے ضائع ہو گئیں۔ یوں متقدمین کی سائنسی تحقیقات پر پانی پھر گیا اور آنے والی نسلوں کو سائنسی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے تحقیقی مواد ناپید ہو گیا۔ اب یہی علاج رہ گیا تھا کہ اس میدان میں از سر نو تحقیقات اور تجربات کیے جائیں۔ یہ کام مالی سرپرستی کے بغیر ناممکن تھا، اس لیے نئی نسلوں نے اس طرف بہت کم توجہ دی۔

رقص و موسیقی کی طرف توجہ:

ہر دور میں جیسے جیسے حکومتوں کا رخ بدلتا رہتا ہے، لوگوں کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ابتداء میں حکومتوں کا رخ جدید علوم و فنون یعنی فلسفہ، ہیئت، طب، فلکیات وغیرہ کی طرف زیادہ تھا، چنانچہ سائنسی علوم نے ترقی کی اور بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ سلاطین و امراء کا رجحان عیش پرستی کی طرف ہوتا چلا گیا تو لوگوں کا رخ بھی سائنسی علوم کی بجائے رقص و موسیقی کی طرف ہو گیا۔ آنے والی نسلوں نے سائنسی علوم کو بے کار سمجھا۔ حکومتیں بدل گئیں، تو اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ علمی اقدار بھی بدل گئیں، چنانچہ مسلمانوں میں سائنسدان بھی ناپید ہو گئے۔

ہو گیا۔ ان کی وفات 1048 عیسوی میں ہوئی۔

البرونی نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

- ★ کتاب العمل بالاصطلاح
- ★ کتاب تلخیص الکفر
- ★ کتاب البند
- ★ قانون مسعودی
- ★ آثار الباقیہ
- ★ کتاب الجماہیر فی الجواہر

سائنس کے میدان میں تحقیق کے سلسلے میں البرونی کے چند کارنامے درج ذیل ہیں۔

- ★ البرونی نے قیمتی پتھروں اور موتیوں کی کثافت معلوم کی۔
- ★ البرونی نے ثابت کیا کہ زمین کا محیط 24779 میل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق زمین کا محیط 24858 میل کیا گیا۔ اس طرح البرونی کے بیان اور جدید تحقیق میں صرف 79 میل کا فرق ہے۔
- ★ البرونی نے پتھروں اور موتیوں کے علاوہ مختلف دھاتوں کی کثافت اضافی کی صحیح پیمائش کی اور اسے ریکارڈ کیا۔ اس سلسلے میں اس کی کتاب ”کتاب الجماہیر فی الجواہر“ ہے۔

عصر حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب

مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

اغیار کی محکوم:

آج سے دو سو سال قبل تک مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہے تھے۔ اس مرحلے پر مختلف وجوہات کی بناء پر مسلمان یورپی اقوام کے غلام بن گئے۔ دو صدیوں کے اس طویل دور غلامی میں مسلمان سائنس دان اور ماہرین حکومت کی سرپرستی اور دسائے سے محروم ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کے سائنس میں پیچھے رہ جانے کا اہم سبب ہے۔

تحقیق کی کمی:

اگرچہ مسلمان ممالک اب آزاد ہو چکے ہیں لیکن سیاسی غلامی کے ختم ہوجانے کے باوجود ذہنی غلامی اب بھی موجود ہے۔ ایک آزاد مسلم سماج کے لیے ضروری تھا کہ وہ سارے علوم بشمول سائنس کو اپنے نظریہ زندگی، طرز فکر اور روایات و اقدار کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا، اپنی زبان اور اصطلاحات استعمال کرنا، دوسری تہذیبوں سے سیکھنے میں فتالی کی بجائے تنقید سے کام لیتے ہوئے استفادہ کرنا اور تحقیق و تفتیش کے نئے مناہج کی بنیاد رکھنا، جو اس کے نظریہ کائنات کے مطابق ہوتے۔ اگر یہ سارے کام کر لیے جاتے تو سائنسی ورثہ اسلامی علمی روایت کا جز بن جاتا اور سائنس میں ریسرچ مسلمان سماج کے تحقیقی کام کا حصہ بن جاتی۔ اب سائنس ایک اجنبی نظریہ کے جز کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آتی ہے۔ چنانچہ وہ ان کی نفسیات کا جز نہیں بنتی اس لیے وہ اسے سیکھ سکتے ہیں نہ اس کو ترقی دے سکتے ہیں۔

معیار کتاب و سنت ہو:

سائنس میں ترقی کے لیے آزاد ذہن اور تخلیقیت بہر حال ناگزیر ہے۔ مسلمانوں میں آزادی فکر، تخلیقیت اور فعالیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کتاب و سنت کو معیار حق تسلیم کریں اور باقی تمام انسانی افکار، اقوال اور آراء کو اس معیار پر پرکھنے کے عمل قابل ہوں۔

جہاد اور اجتہاد کا فقدان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (سورة الانفال . ۶۰)

ترجمہ: مسلمانوں! جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔

لیکن بد قسمتی سے خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اس کے لیے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی۔ خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانے کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت نہیں پائی تھی۔ ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایان شان ہو۔ ان میں نہ روح جہاد تھی اور نہ قوت اجتہاد جو دنیا کی قیادت کے لیے ضروری ہے۔

مشہور مسلمان سائنسدان

جابر بن حیان:

جابر بن حیان کا تعلق جنوبی عرب کے قبیلہ ازو سے تھا، اس قبیلہ کے لوگ کوفہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جابر بن حیان 721 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ جابر بن حیان کا باپ کوفہ کا مشہور دوا ساز تھا۔ جابر کے بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ جابر بن حیان نے اپنی ابتدائی تعلیم کوفہ سے حاصل کی۔ اس نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی اور دوسرے علوم کا مطالعہ بھی کیا۔ کوفہ میں ہی اس نے ایک تجربہ گاہ قائم کی، جس میں وہ دن رات سائنسی علوم کی تحقیق میں گمن رہتا۔ ان کی وفات 815 عیسوی میں ہوئی۔

جابر بن حیان نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ کتاب الرحم ★ کتاب الزینق المشرقی

★ کتاب الملک ★ کتاب الموازین الصغیر

جابر بن حیان کے نزدیک تجربات کو نہایت اہمیت حاصل تھی اسی لیے اسے ”تجرباتی کیمیاء“ کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ جابر بن حیان نے بہت سی کیمیائی چیزیں ایجاد کیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ قلمی شورے کا تیزاب ★ گندھک کا تیزاب

★ سلور نائٹریٹ ★ مینیکینز ڈائی آکسائیڈ

★ وارث (لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے) ★ قرح و انجیق (آلات کیمیاء)

★ آب سلطانی (پانی جو سونے کو حل کر سکتا ہے)

جابر بن حیان نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، موم جامہ بنانے، کپڑا رنگنے اور بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے خضاب تیار کرنے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔

۲۔ ابن الہیثم

ابن الہیثم کا پورا نام ابوعلی حسن بن حسین ابن الہیثم تھا۔ وہ 965 عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دینی تعلیم کے علاوہ ریاضی، طب، طبیعیات اور دیگر علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ملازمت ترک کرنے کے بعد ابن الہیثم کا سارا وقت سائنسی

تحقیق و تجربات اور تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ ان کی وفات 1040 عیسوی میں ہوئی۔ ابن الہیثم نے قریباً دو سو کتب لکھیں جن میں سے زیادہ تر ریاضی، طبیعیات اور طب کے موضوع پر ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ریاضی: کتاب الجامع فی اصول الحساب، کتاب فی حساب العلامات، علم المناظرہ اور مقالہ فی حساب البندی وغیرہ۔

طبیعیات: مقالہ فی طبیعی الالم وللدلة، مقالہ فی ہیئہ العالم، مقالہ فی الابدائی والموجودات اور تلخیص المسائل وغیرہ۔

طب: کتاب فی البرہان، کتاب فی فرق الطب، کتاب فی منافع الاعضاء اور کتاب فی اصفاء لمیات وغیرہ۔

ابن الہیثم نے آنکھ اور روشنی کو موضوع تحقیق بنایا اور تحقیق سے پرانے نظریات کو باطل قرار دیا

★ اس نے ثابت کیا کہ ”جب روشنی مختلف سطحوں سے پلٹ کر فضا میں پھلتی ہے تو ان میں سے کچھ شعاعیں دیکھنے والے کی آنکھ میں داخل ہو جاتی ہیں جس کے سبب وہ شے آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے۔“

★ ابن الہیثم نے آنکھ کی اندرونی ساخت بھی بیان کی اور اس کے مختلف حصوں کے بارے میں بتایا۔

★ ابن الہیثم نے سب سے پہلے روشنی کو توانائی قرار دیا اور ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ سیدھی لکیر کی صورت میں سفر کرتی ہے جسے دوسرے الفاظ میں خط مستقیم کہا جاتا ہے۔

★ ابن الہیثم نے دنیا کا پہلا سوئی چھید کمرہ جسے انگریزی میں ”پن ہول کمرہ“ کہا جاتا ہے، ایجاد کیا، اس کمرہ کو اس نے ”تقبالہ“ کا نام دیا۔

★ ابن الہیثم نے اس بات کے بارے میں بھی بتایا کہ چاند اور سورج افق کے قریب بڑے کیوں نظر آتے ہیں۔

۳۔ البیرونی

البیرونی کا پورا نام ابوریحان محمد بن احمد البیرونی ہے۔ وہ 973 عیسوی میں خوارزم کے ایک قریبی گاؤں ”ہیرون“ میں پیدا ہوئے اسی لیے انہیں ”البیرونی“ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علم دین حاصل کرنے کے علاوہ طب، ہیئت، نجوم اور ادبیات کے علوم میں دسترس حاصل کی۔ جب محمود غزنوی نے خوارزم فتح کیا تو البیرونی کو اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ یہاں اس نے ہندی زبان سیکھی اور ہندوؤں کے علم فلکیات کا جائزہ لیا۔ البیرونی نے پنجاب کے مختلف شہروں کے عرض البلد کی پیمائش کی۔ یہیں اس نے اپنی مشہور کتاب ”کتاب الہند“ تحریر کی محمود غزنوی کے انتقال کے بعد البیرونی اس کے بیٹے مسعود کے دربار سے بھی منسلک رہا۔ محمود غزنوی کے بیٹوں اور پوتوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ چھڑنے کے بعد اس نے دربار چھوڑ دیا اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف میں مصروف

مسلمانوں میں تاریخ نگاری کا شوق عہد بنو امیہ میں پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں پہلا نام امام زہریؒ (التوفی ۷۴۲ھ) کا آتا ہے۔ جنہوں نے عمر بن عبدالعزیز (۷۲۰ھ) کے حکم کے مطابق کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ان کے علاوہ ابتدائی سیرت نگاروں میں عروہ بن زبیرؒ اور ابان بن عثمانؒ اور دوسرے چند لوگوں کے نام بھی شامل ہیں۔ مشہور تابعی موسیٰ بن عقبہ المدنیؒ کی تصنیف کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی اور ابن ہشام کی کتاب المغازی جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے کو بے حد شہرت ملی۔ ابن سعد کی بارہ جلدوں پر مشتمل ”طبقات“ اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ بعد کے ادوار میں سیرت پر جو کتابیں تحریر کی گئیں وہ زیادہ تر انہی کتابوں سے مستفاد ہیں۔ تاریخ نگاری کا آغاز عہد بنی امیہ میں ہوا۔ سب سے پہلے عبید بن شرمہ الجرمی نے معادیہ کے لیے ”کتاب الملوک و اخبار الماشیین“ کے نام سے مشہور کتاب لکھی۔ یہ تاریخ کی پہلی کتاب ہے۔ فتوحات کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں ابن عبدالحمک مصری، بلاذری، حافظ مغلطائی اور حاجی خلیفہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتابوں میں بعض اتنی ضخیم ہیں کہ ایک ایک کا جائزہ لینے کے لیے عمر نوچ درکار ہے۔ ایک تصنیف ”تاریخ دمشق“ اسی جلدوں میں ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کتاب ”العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرهم من ذوی السطان الاکبر“ کے عنوان سے لکھی۔ یا قوت حموی، ابن عساکر اور ابن خلکان نے ٹیکٹروں کتابیں لکھیں۔ ابن جوزی نے ایک طرف ”کتاب الاذکیاء“ لکھ کر ذہین انسانوں کی تاریخ مرتب کی اور دوسری طرف ”اخبار المغفلین“ تحریر کر کے بے وقوفوں کی تاریخ مدون کر کے رکھ دی۔ صلاح الدین صفدی نے معذروں کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ امام ذہبی نے تاریخ کی چالیس اقسام گنا کر بلاشبہ مسلمانوں کا تصور تاریخ واضح کیا ہے۔

جغرافیہ :

اسلام میں علم جغرافیہ کے فروغ میں عبادات اور معاملات دونوں نے اہم کردار ادا کیا۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے راستوں سے واقفیت، نماز کے قیام اور مسجد کی تعمیر کے وقت قبلہ کا تعین، امور سلطنت کی انجام دہی اور تجارتی مقاصد کے لیے مختلف بلاد و امصار کے جغرافیائی محل وقوع سے آگاہی وہ محرکات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جغرافیہ کا علم حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ عباسی دور میں جب ایرانی، ہندی اور یونانی کتابوں کے ترجمے ہونے لگے ثابت بن قرہ نے یونانی جغرافیہ دان بطلمیوس کی کتاب (Geographical Treatise) کو عربی جامہ پہنایا۔ افلاطون کی کتابوں کے علاوہ مسلمانوں نے ہندی اور ایرانی جغرافیائی تصورات کا علم بھی حاصل کر لیا، جس سے وہ اس قابل ہو گئے کہ اس موضوع پر تحقیق و تصنیف کا آغاز کر سکیں۔ خلیفہ مامون الرشید کے

عہد خلافت میں مشہور مسلم ریاضی دان محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جغرافیہ کے موضوع پر ”صورة الارض“ کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ابن خرداد بہ کو مسلم جغرافیہ کا بآدم مانا جاتا ہے۔ انہوں نے ”المسالك والممالك“ کے عنوان سے کتاب لکھی۔ تیسری صدی کے آخر میں احمد بن اسحاق اور چوتھی صدی ہجری کے رابع اول میں قدامہ بن جعفر الکاتب نے ”کتاب الخراج و منعة الکتاب“ تحریر کی جس میں راستوں، مذاک کی منزلوں اور سرحدوں کی تفصیل دی تھی۔

اسی زمانے میں ابو الحسن علی بن حسین السمو دی نے اپنا سفر نامہ تیار کیا۔ ابوزید احمد بن سحل لُحی ”دبستان لُحی“ میں شامل ہیں یہودی کے شاگرد تھے۔ اصطخری کی درخواست پر ابوالقاسم محمد ابن ہرقل نے نقشوں پر نظر ثانی کی۔ یحییٰ بن آدم عالم ابو الحسن ابن احمد الحدادی نے جغرافیہ کے موضوع پر دو کتابیں تحریر کیں۔ محمد بن ابی بکر المحدثی نے اسلامی ممالک کے نشیب و فراز کیے اور انہیں کتاب میں قلمبند کیا۔ ابو ریحان محمد ابن احمد البیرونی نے اپنی شاہکار کتاب تاریخ الهند لکھی۔ چین کے جغرافیہ دان ابو عبد اللہ بن عبد العزیز نے جغرافیائی نکتہ تبارکی۔ ابو عبد اللہ محمد بن محمد ادرسی سین کے شہر ستیہ میں پیدا ہوئے۔ اور یسکی جغرافیہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دستگاہ رکھے تھے۔ مگر جغرافیہ اور نقشہ کشی کے فن میں وہ قرون وسطیٰ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ اور یسکی شاہی خاندان کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ”نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق“ تصنیف کی اور زمین کی گولائی جیسے بنیادی حقائق کی قبولیت کا مظاہرہ کیا۔ ابولندا، زکریا بن محمد القزوینی، ابوعبد اللہ محمد الدمشقی ابن الوردی بھی جغرافیہ دانوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے علم جغرافیہ میں سفر ناموں کی بدولت بھی قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ ان میں ابن جبیر، ابن بطوطہ، ناصر خسرو، المازنی، ابن ماجور، النبائی، العبداری الطیسی اور التیجانی شامل ہیں۔ علم جغرافیہ میں مسلمان تاجروں کا بھی بہت بڑا کردار رہا ہے۔ ان میں سلیمان التاجر، ابوزید الحسن السیرانی اور احمد ابن فضلان ابن حماد شامل ہیں۔ جغرافیائی ذخیرہ علم میں جغرافیہ دانوں، تاجروں اور سیاحوں کی طرح مسلم جہازرانوں نے بھی اپنی گوں ناگوں معلومات سے قابل ذکر اضافہ کیا ہے۔ بحری کپتان بزرگ بن شہریار، ابن قاطر اور ایک اہم شخصیت شهاب الدین احمد ابن احمد کی ہے جنہیں اسد البحر بھی کہا جاتا ہے۔ فرانس کے مشہور مورخ موسیو سید یو لگتے ہیں۔ ”کب ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ عربوں نے کاغذ، قطب نما، بارود اور توپوں کو ایجاد کیا اور ان کی ایجاد سے تمام دنیا کی ادبی، سیاسی اور فوجی حالت میں کیسا انقلاب عظیم رونما ہوا اور بعض یورپین اہل قلم جنہوں نے عربوں سے ان چیزوں کے ایجاد کا شرف بزدلی چھین لیا ہے ان کے بیان پر کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اصل یہ ہے کہ ان اشیاء کے موجد عرب ہیں اور عربوں ہی نے اہل یورپ کو ان کا استعمال سکھایا ہے۔“

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاص سیکرٹری تھے، صلح حدیبیہ سمیت کئی اہم دستاویز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لکھی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی چھاؤنیوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔
- ★ عمال کے اخلاق کی خود نگرانی کرتے اور ان کی بے اعتدالیوں پر سختی سے باز پرس کرتے تھے۔
- ★ محکمہ مال میں آپ رضی اللہ عنہ نے خاص اصطلاحات جاری کیں اور جنگلات سے مالی فائدہ اٹھانے کی بنیاد رکھی۔
- ★ عدل و انصاف کے ضمن میں قاروقی نمونہ پیش نظر رکھا، آپ رضی اللہ عنہ خود کئی بار اپنے ماتحت قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے اور بسا اوقات فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی ہو جاتا تھا جسے آپ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے قبول کرتے۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔
- ★ محکمہ پولیس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے منظم کیا اور باقاعدہ پولیس کے سسٹم تشکیل دیے۔ پولیس کا فرض تھا کہ وہ جرائم کی روک تھام کرے، منڈیوں پر نظر رکھے اور امن و امان قائم رکھے۔

نبوی معاشرے کا تسلسل

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسلامی طریق حکمرانی کے اصول بتائے ہیں اور ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خلافت کا نظام قائم کیا جسے امت نے خلافت راشدہ کا نام دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے۔ خلافت راشدہ سے مراد ہے راست رو خلافت۔

شورائی نظام:

خلفاء کا انتخاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورے سے ہوتا تھا، ہر خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بڑے بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اہل رائے حضرات اور سیاسی تدبیر رکھنے والے لوگوں سے مشورہ کیا جاتا تھا اور جس شخصیت پر اکثریت کا اتفاق ہوتا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی اور خلافت کے پورے دور میں تمام معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے تھے۔

بنیادی حقوق کا تحفظ:

اسلام نے اپنی ریاست کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق دیے ہیں اور خلافت راشدہ کے دور میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جاتا رہا ہے، کسی شخص کی آزادی سلب نہیں کی گئی، کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ وہ لوگ جو حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے لیکن عملاً بغاوت میں شریک نہ ہوئے ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا حاصرہ کر لیا تھا، ان کی سرکوبی کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

بیت المال کے امانت ہونے کا تصور:

خلفاء راشدین بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اور اس میں سے اپنی مرضی سے ایک پیسے کا تصرف بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میرے لیے بیت المال سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کا اسی قدر سامان کہ جتنا قریش کے ایک نام آدمی کی ضرورت ہے۔

قانون کی بالادستی:

خلفاء اپنے آپ کو قانون سے بالا نہ سمجھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں اپنے آپ کو ایک عام شہری کے مساوی سمجھتے تھے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کئی ایسے واقعات ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ماتحت قاضیوں کی عدالتوں میں ایک عام فرد کی طرح پیش ہوئے۔

اظہار رائے کی آزادی:

خلافت راشدہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اظہار رائے پر کبھی بھی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ ہر شخص اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر سکتا تھا، خلیفہ پانچویں وقت نمازوں میں لوگوں کے سامنے حاضر ہوتا اور ہر شخص ہر وقت خلیفہ کا انتساب کر سکتا تھا۔

معاشرتی استحکام:

اولی الامر:

اسلامی ریاست میں اولی الامر یعنی حکام کا ایک ادارہ کام کرتا ہے۔ یہ ادارہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آیا جس کا سربراہ ابتدائی دور میں خلیفہ وقت ہوا کرتا تھا۔ اس ادارے کو یہ ذمہ داری ملی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر خود بھی عمل کرے اور اسلامی ریاست کے شہریوں سے بھی عمل کروائے۔ چونکہ اولی الامر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو اسلامی ریاست میں نافذ کرتے ہیں اس لیے ان کی پیروی بھی لازمی قرار دی گئی ہے تاکہ اسلامی ریاست کا نظم و نسق چل سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔“ (سورۃ النساء: ۵۹)

اس آیت کا تفسار یہ ہے کہ اگر باپ صل و عقد کے احکام کی بھی پیروی کی جائے لیکن اولی الامر اگر کسی ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہو تو اولی الامر یعنی حکمرانوں کی اطاعت جائز نہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”گناہ کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ اطاعت اچھے کاموں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے کسی بندے کی اطاعت نہیں کی جاتی۔“ (صحیح بخاری 7145-7146 مسلم 4870)

شورائی نظام:

اسلامی ریاست میں روزمرہ کے امور چلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملی تعبیر تلاش کرنے کے کام میں مسلمانوں کو شریک کیا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے مسلمانوں نے شورائی نظام کا ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے۔ جب کسی معاملے میں مشورہ کیا جاتا ہے اور بہت سی آراء سامنے آتی ہیں نیز ماہرین اور تجربہ کار صاحب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو زیر نظر مسائل کا ایسا حل سامنے آ جاتا ہے جو آسان، قابل عمل، انسانی ضرورتوں کے مطابق اور ملی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ترجمہ: ”یا ہمی امور میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب رائے پختہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔“ (آل عمران: 159)

مشورے کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکمران ایک طرف فیصلے نہیں کر پائیں گے بلکہ کسی بھی مسئلے کے سب پہلو سامنے آئیں گے اور ان کی روشنی میں فیصلہ ہوگا جس سے آمریت کے مواقع کم ہو جائیں گے۔

شہریوں کے فرائض:

ہر ریاست کے شہریوں کے لیے ایسے کام کرنا لازمی قرار دیا جاتا ہے جس سے ریاست کا تحفظ ہو اور نظام حکومت بھی چل رہے ہو۔ اس کے ادارے اپنے فرائض اسن و سکون سے ادا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں بھی مسلمان شہریوں پر کچھ فرائض عائد کیے گئے ہیں۔ یہ فرائض ایسے نہیں جو مسلمان شہری ادا نہ کر سکیں یا ان کی ادائیگی میں انہیں غیر ضروری محنت و مشقت اور دقتوں کا سامنا ہو۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کا احترام کریں، ریاست کے وفادار اور خیر خواہ ہوں، بھلائی پھیلانے اور برائی کو روکنے میں حکومت سے تعاون کریں اور جہاں مالی یا جانی قربانی کی ضرورت پیش آئے، قربانی سے دریغ نہ کریں۔

شہریوں کے حقوق:

اسلامی ریاست میں شہریوں کو وسیع حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ریاست ان حقوق کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ضمانت مہیا کرتی ہے۔ اس لیے اگر ریاست کی شرعی عذر کے بغیر ان حقوق کی نگہداشت میں تاخیر رہتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہے۔ اس لیے یہ ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ کسی امتیاز اور رعایت کے بغیر ہر شہری کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اسلام نے حقوق کے تحفظ کا وسیع نظام دیا ہے۔ حقوق کی تمام شکلوں کے لیے اسلام نے احکام دیے ہیں فرد کے اپنے ذاتی احساس سے لے کر ایسے حقوق جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے وہ سب کے سب اسلام کی تعلیمات میں موجود ہیں اور اسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور شخصی آزادی کا تحفظ کرے اور کسی بھی معاملے میں کسی طبقے سے امتیازی سلوک روا نہ رکھے۔

منفرد علاقوں کے جغرافیائی اور تمدنی تقاضوں کی رعایت:

بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمانوں کو جب قوت حاصل ہوگئی تو انہوں نے غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ حالانکہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی پہنچ کی گئی ہو کیونکہ ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ (البقرہ: ۲۵۶) (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کا حکم موجود ہے اور اسی لیے کوئی بھی مسلمان کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ اسلام کا طریق کار رہا ہے کہ وہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ جو دعوت قبول نہ کرے مگر جزیہ دے کر اسلامی ریاست کی برتری قبول کر لے وہ اسلامی ریاست کا شہری ہے اور اس کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں دھمکی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسلام زبردستی قبول کرے۔ پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا

سکتی۔ تیسرے یہ کہ ایمان دل کا معاملہ ہے اور زبردستی جسم پر ہو سکتی ہے دل پر نہیں۔ اس طرح زبردستی سے نفاق تو پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام و ایمان نہیں۔ اسلام منافقین کی تعداد بڑھانا نہیں چاہتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام کھوار کے زور سے پھیلا تو اسلام کو کھوار کے زور سے پھیلانے والوں پر کس نے کھوار چلائی کہ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ یہ اسلام کے سنہری اصول انسانی مساوات اور عدلی اجتماعی کا نظام ہی تھا جس نے انسانوں کے دلوں پر اثر کیا اور وہ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور پھر اسلام کے سچے خادم بن کر بلند درجات پر فائز ہوئے۔

قرآن وحدیث کا فروغ:

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا آغاز نسل انسانی کی ابتداء کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور انسانوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھی انسان کی نئی نسلوں کو مقدس ہدایات اور احکام الہی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ لہذا ان احکام کا آئندہ نسلوں کو منتقل کرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس لیے اسلام نے نہ صرف تعلیم کو باقی رکھا بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ چنانچہ دین اسلام کی آخری کتاب کے نزول کا آغاز لفظ ”اقرأ“ پڑھ سے ہی ہوتا ہے۔ اس سورت میں تعلیم کی اہمیت و افادیت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورة العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: ”اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے (تمام مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگ پروردگار کے نام سے پڑھ، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ ان آیات میں دوبار پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی اور لکھنے کی تلقین بھی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ علم و دانش کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو زیادہ مؤثر انداز میں بیان کیا ہے اور اپنا تعارف اس حیثیت سے کروایا ہے کہ اس نے انسان کو علم کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے۔ ارشاد ہے:

الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمن: ۳۲:۱)

”رحمن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کر کے اسے بولنا سکھایا۔“

ترجمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت ہی عطا نہیں کی بلکہ اسے قوت گویا بھی بخشی ہے جس کو استعمال کر کے انسان اپنا علم و بہرہ دوسری نسلوں تک منتقل کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ علم پھیلانے کے دو بڑے ذرائع زبان اور تعلیم یعنی تحریر اور تقریر اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ اس کی دی ہوئی تعلیم کو آئندہ نسلوں تک پہنچا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معلم کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔ وہ اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت کو پہنچاتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں اپنی آمد کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا کہ ”میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں“ (سنن ابن ماجہ، سنن الدارمی) تعلیم دینا ایک مقدس فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے۔ جو انسان اس فریضہ کو اپناتا ہے وہ یقینی طور پر نبوت کے پیغام کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے۔ انسانیت کی خدمت کرتا ہے اور علم و دانش کی شمع کو روشن کرتا ہے ایسا فیض اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام پاتا ہے اور اس کے درجے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (سورة الزمر: ۹)

ترجمہ: ”(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ کہیں ایک سے ہو سکتے ہیں؟ بے شک علیٰ عقل و دانش ہی بصیرت حاصل کرتے ہیں۔“ اسلام میں تعلیم کی اہمیت و افادیت اور مقام کے پیش نظر مسلمانوں نے اس میدان میں بے پناہ خدمات سر انجام دی ہیں۔ پہلا باقاعدہ تعلیمی ادارہ عہد رسالت میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ یہ مدرسہ چونکہ مسجد نبوی میں قائم ہوا تھا اس لیے اسلام کے ابتدائی دور میں درس گاہیں مسجد کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔ مسلمان ماہرین تعلیم نے نہ صرف تعلیم و تدریس کا باقاعدہ کام جاری رکھا بلکہ انہوں نے مقصد تعلیم، اصول تعلیم، طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دی اور ان تمام علوم میں مسلمان ماہرین تعلیم نے قرآن و سنت سے اصول اخذ کیے، ان اصولوں کی روشنی میں اسلامی نظام تعلیم و تربیت کی تفصیل مرتب ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام کسی نہ کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے سر انجام دیا جاتا ہے کیونکہ جب تک مقصد متعین نہ ہو اس کے حصول میں وقت ہوتی ہے۔ مقصد متعین کیے بغیر کام کرنے والے کی حالت اس مسافر کی سی ہوتی ہے جسے اپنی منزل معلوم نہ ہو لیکن وہ دن رات سڑک ٹاپے اس لیے تعلیم جیسے ہم کام کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیے تاکہ اس نظام میں کام کرنے والوں کو اپنی منزل معلوم ہو۔ تعلیم کا مقصد متعین کرنے کی لا تعداد کوششیں ہوئیں اور ہر ایک مفکر نے اپنے گرد و پیش اور اپنی ضرورت اور سمجھ کے مطابق تعلیم کا مقصد یا نصاب العین پیش کیا۔ تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ایسے اصحاب کو زیادہ مشکلات پیش آئیں جن کی زندگیوں مذہبی نصب العین سے خالی تھیں۔ بہر حال تعلیم کے بہت سے مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

★ تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر کرنا ہے۔

★ انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرنا۔

★ تندرست جسم میں تندرست روح پیدا کرنا۔

★ انسان کی فطری صلاحیتوں کو ظہور میں لانا۔

★ انسان کی انفرادیت کی آزادانہ نشوونما کرنا۔

★ اقتدار حاصل کرنا اور حکومت قائم کرنا۔

★ انسان کو اس قابل کرنا کہ وہ روزی کما سکے۔

★ ماحول کو سمجھنا اور اس میں انسان کا فٹ ہونا۔

★ کائنات کی حقیقتوں کو جاننا اور انہیں اپنا تابع بنانا۔

ہم نے یہاں چند ایک مقاصد تعلیم کی نشاندہی کی ہے۔ کیونکہ اس وقت تعلیم کے بیان کردہ تمام مقاصد کو بیان کرنا مشکل کام ہے۔ اسلام میں زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انسان نے جو اچھے برے اعمال اس دنیا میں کیے ہیں، مرنے کے بعد وہ ان کا جواب دہ ہوگا۔ اسی طرح انسان صرف جسم کا نام نہیں کہ اس کی مادی ضرورتوں کے علاوہ اس کی کوئی اور ضرورت نہ ہوں بلکہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے زندگی کا نصب العین اور مقصد ایسا ہونا چاہیے جو انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے۔ ان افکار کی روشنی میں اسلامی تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین مضبوط تعلقات کا استوار ہونا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ اسی مقصد سے انسان کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی بہترین صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اس کی انفرادیت پر وان چڑھتی ہے۔ اس لیے تعلیم یافتہ انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کا گہرا رشتہ قائم ہو اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق گزرے اور قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچنے کی صورت میں اسے کامیابی نصیب ہو۔ یہی انسان کی فطرت اور یہی مقصد حیات ہے اور اسی میں انسان کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب استاد اور طالب علم کے دل و دماغ پر کسی اعلیٰ ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور غالب نہ ہو، اس وقت تک وہ تعلیم کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی تصور کو مضبوط اور مستحکم کرنے سے اخوت، مساوات، عالی ظرفی، وسعت نظر و فکر اور رواداری جیسی بلند صفات انسان میں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ معاشرے کا مفید رکن بن جاتا ہے۔

مفتی



طرز زندگی بنیادی
جواب دیں

سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

الف۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد قرآن و حدیث ہے۔ بیان کریں۔

ب۔ اسلامی طرز زندگی بنیادی انسانی حقوق کی ترجمان ہے۔ وضاحت کریں۔

ج۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اسلامی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ موجودہ نظام حکومت سے موازنہ کریں۔

د۔ اسلام تلوار کی بجائے اخلاقِ حسنہ سے پھیلا۔ اسلامی تاریخ کے حوالے سے وضاحت کریں۔

ه۔ معاشرتی استحکام کے فروغ کے لیے اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے؟

ب۔ تہذیب کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ج۔ بھائی چارے کے بارے میں کسی حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔

د۔ ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ سے کیا مراد ہے؟

ه۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں کیے گئے اقدامات تحریر کریں۔

و۔ بیت المال کس مسلمان خلیفہ نے شروع کیا؟

ز۔ فوج کی باقاعدہ تربیت کس خلیفہ نے شروع کروائی؟

ح۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”ذوالنورین“ کیوں کہا جاتا ہے؟

ط۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے کوئی سے تین نمایاں کام بتائیں۔

ی۔ ”اولی الامر“ کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے؟

حکومت کی
مہارت

سوال نمبر 3۔ مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے خالی جگہ پر کریں۔

- الف۔ اسلامی تہذیب کا سرچشمہ صلی ہے۔
 ب۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت کو 9 حصوں میں تقسیم کیا۔
 ج۔ اسلامی ریاست کا دوسرا بانی ابو بلہ ہیں۔
 د۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوہ حند میں شرکت نہیں کی۔
 و۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلاموں اور نریمان کے حقوق مقرر کر دیے۔
 ز۔ اسلامی سلطنت کی سرحدیں حضرہ کے دور حکومت میں ہندوستان تک پہنچ گئی تھیں۔
 ح۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور حکومت مار سال تک رہا۔

سوال نمبر 4۔ درست اور غلط بیانات کی نشاندہی کریں۔

- الف۔ تہذیب کے لفظی معنی رہتے ہیں۔
 ب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ دولت کی فراوانی کو امت کے زوال کا سبب قرار دیا ہے۔
 ج۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورے ملک میں مکاتب و مدارس کا جال پھیلایا۔
 د۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں ایک تہائی مسلمان فوج کا خرچ برداشت کیا۔
 و۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑا بنوایا۔
 ز۔ صلح حدیبیہ کی شرائط حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیں۔
 ح۔ پولیس کا محکمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منظم کیا۔

سرگرمی

معلم / معلمہ طلباء اور طالبات کے درمیان خلفائے راشدین کے حالات زندگی اور کارناموں پر ایک کوئز مقابلہ کروائیں۔

اسلام اور عہدِ حاضر

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ / طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:

وہ عصر حاضر میں دہشت گردی کے حوالے سے مسلمانوں پر لگائے جانے والے الزامات کو اپنے کردار اور رویوں سے رد کرنے کی ترغیب پاسکیں۔

اسلم ممالک کے باہمی تعلقات

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس کی اساس نظریہ اسلام ہے۔ لہذا پاکستان دنیائے اسلام کے ساتھ مذہبی، روحانی، ثقافتی اور تاریخی رشتوں میں منسلک ہے۔ پاکستان نے دوسرے مسلم ممالک کے ساتھ ہمیشہ سے دوستانہ تعلقات رکھے ہیں اور مسلم ممالک سے تعلقات پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی ستون ہے۔

بڑی طاقتوں کے دباؤ کے باوجود اور اپنے تمام مشکلات اور مسائل کے ہوتے ہوئے بھی پاکستان نے ہمیشہ اسلام کی بہبود اور اتحاد کا علم اٹھائے رکھا۔ پاکستان چاہے کیسے بھی حالات سے گزر رہا ہو، اس نے عالم اسلام کے مفاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے مسائل کو اپنے مسائل ہی سمجھا اور ان کے حل کے لیے مقدور بھرکوشش کی۔ پاکستان اپنی جغرافیائی اہمیت، آبادی، ذرائع اور افرادی قوت کی بنا پر عالم اسلام کے لیے خصوصی کشش رکھتا ہے۔ شرقی بعید کے مسلم ممالک یعنی بنگلہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا، افغانستان اور ایران سے لے کر مراکش تک پھیلے ہوئے مسلم ممالک اسی کی بدولت اتحاد کی لڑی سے منسلک ہیں اور یہ ان کے درمیان رابطے کے جمل کا کام دے سکتا ہے۔ پاکستان نے تیونس، مراکش، الجزائر، انڈونیشیا اور ملائیشیا کی آزادی کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی اور اخلاقی و مالی مددیم پہنچائی۔ مسئلہ فلسطین کو کبھی صرف عرب ممالک کا مسئلہ نہ جانا اور اقوام متحدہ میں عربوں کے موقف کی حمایت کی۔ پاکستان نے ہمیشہ بنیادی نظریہ پیش کیا کہ عالم اسلام کو متحد ہو کر اپنے دفاع، آزادی، استحکام، ترقی اور مسائل کے حل کے لیے رومی یا امریکی ہلاک کی طرف دیکھنے کی بجائے خود اپنے مسائل حل کرنے کے اقدامات کرنے چاہئیں۔

سعودی عرب کے پاکستان سے تعلقات:

سعودی عرب کو حرمین شریفین کے باعث مسلم ممالک میں کلیدی مقام حاصل ہے اور مسلمانوں کے روحانی جذبات اس ملک سے وابستہ ہیں۔ پاکستان کے یوں تو تمام مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات ہیں لیکن سعودی عرب سے تعلقات ہمیشہ سے ہی گہرے آ رہے ہیں۔ ہر سال ہزاروں مسلمان پاکستان سے حج کی غرض سے سعودی عرب جاتے ہیں۔ اس طرح پاکستانیوں کو عربوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ پاکستان سے کئی فنی ماہرین اور ڈاکٹر بھی سعودی عرب بھیجے گئے ہیں۔ سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کی اخلاقی و مالی مدد کی ہے۔ مسئلہ کشمیر میں سعودی عرب نے ہماری ہر موقع پر خالصانہ حمایت کی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حرمین شریفین میں پاکستان کی فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ فروری ۱۹۷۲ء میں جب پاکستان میں سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی اور شاہ فیصل لاہور تشریف لائے تو انہوں نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیا۔

۱۹۷۵ء میں سعودی عرب نے پاکستان کو بھاری صنعتوں کے قیام کے لیے بلا منافع امداد دینے کا اعلان کیا۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ میں سعودی عرب نے گہری دلچسپی لی ہے اور زکوٰۃ فنڈ میں کثیر رقم دی ہے۔ دونوں ممالک میں باہمی تعاون سے متعدد منصوبے بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ جون ۱۹۸۰ء میں زرعی اور صنعتی شعبوں میں تعاون کے لیے دونوں ممالک میں برابری کی بنیاد پر جائٹ سٹاک کمیٹی کے قیام کا معاہدہ ہوا۔ اس طرح پاکستان اپنے سنگین اقتصادی مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور روسی یا امریکی ہلاک کی بجائے اسلامی ہلاک کا اہم ستون ہے۔ سعودی عرب پاکستان میں وقتاً فوقتاً رونما ہونے والی قدرتی آفات میں بھرپور مدد بھی کرتا ہے۔

پاکستان اور ترکی:

ہمارے مسلمان دوستوں میں ترکی مضبوط ترین اتحادی ہے۔ ترکی سے ہمارے تعلقات صدیوں پرانے ہیں اور ہمیں اس کی رفاقت پر بجا طور پر فخر ہے۔ بیسویں صدی میں ترکی کے مسائل برصغیر کی مسلم سیاست کا محور رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی کی خلافت کے لیے ایک زبردست تحریک چلائی اور پیش بہا قربانیاں دیں۔ یہ تحریک ”تحریک خلافت“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کی آزادی و سالمیت اور سلطان ترکی کی عزت و وقار پر کوئی آنچ نہ آئے۔ قیام پاکستان کے بعد ترکی سے دوستی ہمیں ورثے میں ملی۔

اپریل ۱۹۵۲ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک دوستانہ معاہدہ ہوا جس کی رو سے دونوں ممالک سیاسی، معاشی، ثقافتی اور دفاعی معاملات میں تعاون پر آمادہ ہوئے۔ یہی معاہدہ آگے چل کر معاہدہ بغداد کہلایا۔ ۱۹۶۴ء میں دونوں ممالک معاہدہ انٹربولیا

علاقائی تعاون برائے ترقی کے رشتہ میں منسلک ہوئے۔ اسی طرح کے دیگر مشترکہ اقتصادی معاہدے اب بھی جاری ہیں۔

دونوں ممالک ہمیشہ ایک دوسرے کی اخلاقی اور مالی مدد بھی کرتے رہے ہیں۔ پاکستان نے قبرص کے مسئلے پر ترکی کی مکمل حمایت کی اور ترکی مسلمانوں پر قبرص میں ظلم و ستم پر سخت احتجاج کیا۔ اسی طرح ترکی پاکستان کو مسئلہ کشمیر پر حق بجانب سمجھتا ہے اور پاکستان کی مکمل حمایت کرتا ہے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں ترکی نے مکمل کر پاکستان کی مدد کی۔

ایران اور پاکستان:

ایران سے ہمارے مذہبی اور ثقافتی تعلقات صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ مسلم دور حکومت میں یہاں کی سرکاری زبان فارسی رہی ہے۔ دونوں ممالک کے تجارتی تعلقات بہت قدیم ہیں اور ان کے درمیان فنی و ثقافتی و فوڈ کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ ایران اور پاکستان کے سربراہان مملکت کے دوروں سے یہ دوستانہ تعلقات مزید مضبوط ہوئے۔ معاہدہ انٹربولیا میں پاکستان اور ترکی کے علاوہ ایران بھی شریک تھا۔

پاک بھارت جنگ ۱۹۶۵ء میں ایران نے پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ عملی مدد بھی کی۔ اسی طرح جب ایرانیوں نے ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد بادشاہت سے چھٹکارا پایا تو پاکستان پہلا ملک تھا جس نے ایران کو تسلیم کیا۔ دونوں ممالک میں اسلامی نفاذ کی کوششیں جاری ہیں۔

عراق اور پاکستان:

پاکستان نے عراق کے ساتھ بھی بڑے دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ معاہدہ بغداد کی بدولت دونوں ممالک میں بہت گہرے تعلقات تھے لیکن اس معاہدے کے ختم ہونے کے بعد دونوں ممالک کے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو گئی۔ پھر اس کے بعد عراق میں انقلاب آگیا اور آزاد جمہوریت قائم ہوئی۔ تب پاکستان کے صدر ضیاء الحق کی کوششوں کے سبب تعلقات میں دوبارہ بہتری پیدا ہوئی اور دونوں ممالک کے مابین ثقافتی، فنی اور تجارتی معاہدے ہوئے ہیں۔ کشمیر کے مسئلے پر عراق نے صاف الفاظ میں پاکستانی موقف کی حمایت کی ہے۔

پاکستان نے ایران عراق جنگ بند کرانے کے لیے اپنی طرف سے پوری کوششیں کی۔ پاکستان کے کردار اور خدمات کو دونوں ممالک نے سراہا ہے۔

افغانستان اور پاکستان:

افغانستان واحد اسلامی ملک ہے جس کے پاکستان کے ساتھ تعلقات کشیدہ رہے ہیں اور اس کی وجہ دونوں ممالک کے درمیان وہ حد ہے جو برطانوی دور میں حکومت برطانیہ اور حکومت افغانستان میں طے ہوئی تھی۔ اسے ڈیورنڈ لائن کہتے ہیں۔ تمام پاکستان کے وقت افغانستان نے ڈیورنڈ لائن پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تھا مگر پاکستان کا موقف یہ تھا کہ یہ سرحدی لائن افغانستان نے انگریزوں کے ساتھ مذاکرات کر کے طے کی تھی۔ اس کے بارے میں نئے سرے سے بات کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ نوآبادیاتی طاقتوں کے چلے جانے کے بعد بھی مختلف ممالک کی سرحدوں کے تعین کے معاملات کو طے شدہ نہ سمجھا جائے۔

۱۹۷۹ء میں روسی افواج کی مداخلت کے بعد لاکھوں افغان پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ پاکستان نے روس کے زیر اثر قائم کی جانے والی افغان حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ روسی افواج افغانستان سے چلی جائیں اور افغانستان کی عوام کو اپنی پسند کی حکومت کا حق دیا جائے۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۹۶ء کو افغانستان میں شروع ہونے والی تحریک کامیاب ہوئی اور ملا عمر کی سربراہی میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اس حکومت کو پاکستان نے فوراً تسلیم کیا اور اس حکومت کے پاکستان کے ساتھ تعلقات بہت خوشگوار رہے لیکن بین الاقوامی سازشوں کا سلسلہ نہ رکا اور اسلام دشمن قوتوں نے فل کر طالبان حکومت کے خلاف لڑائیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا جس کے نتیجے میں طالبان حکومت ایک طرف سیاسی طور پر اور دوسری طرف اقتصادی طور پر کمزور ہو گئی جبکہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دھماکے کو جواز بنا کر امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور آج تک اتحادی افواج نہ صرف افغانستان میں موجود ہیں بلکہ اب وہ پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کر کے خطرے کی سنگین علامت بن رہی ہیں۔ اسلامی ممالک ہونے کے ناطے افغانستان اور پاکستان دونوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسلام دشمن سازشوں کا مکمل کر مقابلہ کریں اور بھائیوں کی طرح پیچھے نہ اپنے باہمی اختلافات کو گفت و شنید کے ذریعے حل کریں۔

متحدہ عرب امارات اور پاکستان:

پاکستان کے کویت اور متحدہ عرب امارات میں شامل تمام عرب ریاستوں سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عرب ریاستیں تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ عرب امارات پاکستان کو اقتصادی ترقی میں بھرپور مدد دے رہی ہے۔ کئی اقتصادی منصوبے ان کے اشتراک سے زیر تکمیل ہیں۔ مشترکہ بینک بھی قائم کیے گئے ہیں۔ امارات کے صدر خلیفہ بن زید بن سلطان النہیان اکثر پاکستان آتے رہتے ہیں۔ انہیں پاکستان کی معاشی ترقی سے خصوصی دلچسپی ہے۔ عرب ریاستیں پاکستان میں سڑکوں کی تعمیر، ہسپتال کی تعمیر اور افرادی قوت کو روزگار مہیا کر رہی ہے۔ پاکستان بھی ان ریاستوں کو ان کے اقتصادی منصوبوں کے لیے قیمتی افراد مہیا کرتا ہے۔ لاکھوں

کی تعداد میں پاکستانی تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ افراد اب بھی اور روسی میں مصروف کار ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں میں اوپیک (تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم) نے پاکستان کو مجموعی طور پر دس ارب روپے کی امداد دی ہے۔ کشمیر کے مسئلے پر وہ پاکستان کی بھرپور حامی ہے۔ حقیقت میں پاکستان امارات کی بنا پر ہی یورپی ملکوں کی ہمتا جی سے آزاد ہوا ہے۔

شام اور پاکستان:

شام اور پاکستان بھی دوستی کے خوشگوار رشتے سے منسلک ہیں۔ دونوں ممالک مختلف شعبوں میں باہمی تعاون سے کام کر رہے ہیں۔ دونوں ممالک اسرائیلی جارحیت کے خلاف ہیں اور فلسطینیوں کے مطالبات کے زبردست حامی ہیں۔ پاکستان نے شام اور اسرائیل کی جنگ میں ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا ہے۔

اردن اور پاکستان:

اردن جزیرہ نمائے عرب کا ایک چھوٹا سا مگر اہم اسلامی ملک ہے۔ اتنا چھوٹا اور اسرائیل کا بڑی ملک ہونے کے باوجود نہایت جرأت سے آزادانہ پالیسی اپنا رکھی ہے اور اسرائیلی جارحیت کی ہمیشہ مکمل مخالفت کی ہے۔

اردن اور پاکستان کے برادرانہ تعلقات ہیں۔ اردن نے ہمیشہ پاکستان کے موقف کی حمایت کی ہے۔ ولی عہد شہزادہ حسن بن طلال جنہوں نے ایک پاکستانی خاتون سے شادی کی ہے، کئی بار پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس طرح دونوں ملکوں میں دوستی کے گہرے روابط ہیں۔

انڈونیشیا اور پاکستان:

25 کروڑ سے زیادہ آبادی والا ملک انڈونیشیا دنیا کے مسلم ممالک میں سے سب سے بڑا ہے۔ اس ملک کو لندن بڑی سامراج سے نجات دلانے میں پاکستان نے عملی اور اخلاقی امداد، ہم پختائی، آزادی کے بعد انڈونیشی صدر نے پاکستان دوستی پر فخر کیا۔ مرحوم صدر سوہارٹو نے پاکستان اور بھارت کی جنگ میں کھلے لفظوں میں پاکستان کی حمایت کی۔ اپنے بحری یونٹ مشرقی پاکستان کی حفاظت کے لیے بھیجنے کے علاوہ ہر قسم کی مدد، ہم پختائی۔ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں بھی پاکستان کی حمایت کی۔ دونوں ممالک میں سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم ہیں۔

مصر اور پاکستان:

عرب ممالک میں مصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان نے مصر کے موقف کی ہمیشہ حمایت کی ہے۔ وادی نیل

کے اتحاد اور نہروں پر اپنا حق منوانے کے لیے مصر نے جو کارروائی کی، پاکستان نے اس کی پوری تائید کی اور جب ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر چڑھائی کی تو پاکستانی عوام نے حملہ آوروں کے خلاف آواز بلند کی۔ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں پاکستانی مندوب نے مصری موقف کی بھرپور تائید کی۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان اور مصر کے درمیان تجارتی اور ثقافتی معاہدے ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے دورہ سے دوستی کے اس رشتہ میں استحکام پیدا ہوا اور صدر رسادات اور حشی مبارک کے دور میں ان رشتوں کو اور زیادہ فروغ حاصل ہوا۔

لیبیا اور پاکستان:

لیبیا کی آزادی کے مسئلہ پر پاکستان نے قوموں کی برادری میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جمہوریہ لیبیا کے صدر معمر قذافی سے اہل پاکستان کو خصوصی لگاؤ تھا۔ ۱۹۷۱ء میں پاک بھارت جنگ میں لیبیا نے کھل کر پاکستان کی حمایت کی۔ ۱۹۷۶ء میں جب معمر قذافی اسلامی سربراہان کا کنفرنس میں شرکت کرنے کے لیے آئے تو پاکستانی عوام نے ان کا پر جوش استقبال کیا۔ لیبیا نے پاکستان کی صنعتی ترقی میں امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے اس کے علاوہ دونوں ممالک ثقافتی اور سماجی تعاون میں بہت سے دوسرے مشترک منصوبوں میں کام پر آمادہ ہو چکے ہیں۔

ان ممالک کے علاوہ پاکستان کے الجزائر، مراکش، تیونس اور دوسرے افریقی مسلم ممالک کے ساتھ بھی دوستانہ برادرانہ تعلقات ہیں اور یہ تمام ممالک مختلف شعبوں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں۔ دراصل پاکستان اسلامی اتحاد کا زبردست حامی ہے اور پاکستان نے اس مقصد کے لیے جو محصلانہ کوششیں کی ہیں، اسلامی ممالک ان کا اعتراف کرتے ہیں۔

۲۔ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے مسائل:

اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا۔ اس لحاظ سے اسلام تمام انسانی طبقات کے لیے پیغامِ رحمت ہے۔ اسلام نے احترامِ انسانیت اور انسان دوستی کا وہ درس دیا جو کوئی اور دین نہ دے سکا۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو غیر مسلم اقوام اور رعایا کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور ہمدردی کا درس دیا۔ بہت سے ایسے اسلامی ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہونے کے باوجود غیر مسلم بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں بھی ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی مذہب کے پیروکار آباد ہیں۔

اکثر مسلمان ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے حقوق کو پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ کسی مسلمان ملک میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت اس ملک کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ اہل الذمہ یا ذمی کہلاتے ہیں۔ تاہم بعض ممالک میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مسلمان ہمیشہ اپنی اس تاریخ پر فخر کرتے رہے ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں مسلم حکومتوں اور معاشروں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات بہتر رہے ہیں۔ چنانچہ خلفاء راشدین اور مابعد کے خلفاء اور امراء کے ادوار میں کبھی مسلمان حکومتوں کے ماتحت رہائش پذیر غیر مسلموں کو کسی امتیازی سلوک یا حق تلفی کی شکایت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ برصغیر میں تقریباً 8 سو سال مسلمان حکمران رہے لیکن ہندو اب تک موجود ہیں اور کبھی بھی حکومتی سطح پر ہندوؤں کے خلاف مذہبی بنیادوں پر جنگ یا فساد رونما نہیں ہوا البتہ حصولِ اقتدار کے لئے تنازعات ایک الگ موضوع ہے۔

تحریک پاکستان کی تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک رہے اور اب بھی غیر مسلم بجائے ہجرت کرنے کے پاکستان میں اپنی مرضی سے رہائش پذیر ہیں۔ اس کو بد قسمتی کہا جائے کہ اب بھی پاکستان میں غیر مسلموں سے متعلق بحث و تحیص ہوتی ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو پرامن غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور بقائے باہمی کی تلقین کرتا ہے لیکن مغربی ممالک میں بعض مذموم مقاصد کے تحت کچھ لوگوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے قتل کرنے پر جنت کی خوشخبری دیتا ہے جو کہ انتہائی غلط پروپیگنڈہ اور اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

در اصل غیر مسلم ممالک میں جب نبی اکرم ﷺ کی توہین یا مذہب اسلام کی توہین اور بے حرمتی کے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کو وہاں کی حکومتیں روکنے کی کوشش نہیں کرتی ہیں تو یہاں کی سوسائٹی کا جذباتی عنصر سارے غیر مسلموں کو بزمِ نفی و ذمہ دار قرار دے کر اپنے ملک میں بسنے والے پرامن غیر مسلموں پر دست درازی کرتے ہیں جو کہ انتہائی مذموم حرکت ہے۔ کیوں کہ ملکی قانون نے ان غیر مسلموں کو برابر کے شہری حقوق عطا کئے ہیں اور یہ لوگ قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اسلام کے اصول کو بھی توڑتے ہیں جو نہیں ہونا چاہیے۔

موجودہ دور قومی حکومتوں کا ہے یعنی ایک جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والے مختلف لسانی، نسلی اور مذہبی طور پر متنوع آبادی ایک قوم کہلاتی ہے، ان میں جس نوع کی آبادی کم ہو اس کو اقلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ اقلیت لسانی یا نسلی یا مذہبی بھی ہو سکتی ہے اور عموماً اقلیتوں کے ساتھ اکثریت کا رویہ مساویانہ نہیں ہوتا ہے، ایسے رویے معاشرے کے عوامی رویوں کی پیداوار ہوتے ہیں ایسے رویوں سے کبھی غیر مسلم اقلیت بھی متاثر ہوتی ہے اس لئے معاشرے میں ایسے رویوں کی

بخ کئی کرنی چاہئے اور ان کو پھیلنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔ ایسے ہی رویوں کا ایک نتیجہ اس صورت میں بھی نکل آتا ہے کہ کہیں کہیں دیہاتی علاقوں کے جذباتی مسلمانوں کے ہاں بجز غیر مسلموں کو مذہب تبدیل کرنے پر ابھارا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام دین و عقیدہ میں جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرة 256)

ترجمہ: دین میں جبر و زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں ایک مسئلہ مرزا یوں (قادیانوں) کا ہے جن کو مسلم سوسائٹی نے مسلمان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے اور وہ اس پر مصر ہیں کہ وہ مسلمان ہیں چنانچہ آئین پاکستان میں بھی ان کو غیر مسلموں کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی جذباتی محبت و لگاؤ کا مسئلہ ہے۔ اگر یہ اقلیت اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کرے تو یقیناً مسلم اکثریت کو غیر مسلموں کے حقوق سے ان کو نوازنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ بہر حال یہ رویوں کا مسئلہ ہے قانونی طور پر سب کو تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔

ایک مسئلہ ہندوؤں کا بھی ہے کہ جب ہندوستان میں مسلم اقلیت پر زیادتی ہوتی ہے یا وہاں پر مسلمانوں کو اپنی بقاء اور مذہب پر چلنے کی دشواری پیش آتی ہے تو عموماً اس کا رد عمل جذباتیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور معاشرے کا جذباتی عنصر ان کی عبادت گاہوں یا آبادیوں کو نقصان پہنچاتا ہے جو کہ از روئے اسلام قطعاً درست نہیں۔

عموماً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ توہین رسالت کے قانون کا شکار اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں اور ان کی جانیں خطرے کا شکار ہو جاتی ہیں: یہ مسئلہ بھی نبی اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ مسلمانوں کے جذباتی اور ایمانی لگاؤ سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اگر اس مسئلے میں اقلیت اکثریت کے جذبات کا لحاظ رکھے اور اظہار میں واجب التعظیم کو ملحوظ رکھے تو یقیناً ایسی کوئی شکایت پیدا نہ ہوگی۔

مسلم ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق:

اسلام اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری کی تاکید کرتا ہے اور انہیں یہ حکم دیتا ہے کہ غیر مسلموں کی دشمنی بھی جنہیں بے انصافی اور ظلم پر آمادہ نہ کرے بلکہ ہر حال میں انصاف کرتے رہو کیونکہ یہی تقویٰ داری کا تقاضا ہے۔ (المائدہ: ۸)

مسلم ممالک میں رہنے والے پر امن غیر مسلموں کو کئی طرح کے حقوق عطا کرتا ہے، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔ چنانچہ اسلام،

انہیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت بجالانے کی آزادی ہے۔

انہیں اپنی ضرورت کے مطابق عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی ہے۔

انہیں اپنی مذہبی کتابیں پڑھنے اور اپنے بچوں کو پڑھانے کی آزادی ہے۔

انہیں اپنے تہواروں، رسوم اور مذہبی تقریبات کو منانے، ان میں شرکت کرنے اور اکٹھے ہونے کی آزادی ہے۔

انہیں مسلم ریاست میں حکومتی مناصب اور پبلک عہدوں کو اہلیت کی بنیاد پر حاصل کرنے کی آزادی ہے جس پر

مسلم اور عسکرانی کی تاریخ گواہ ہے۔ پاکستان میں بھی غیر مسلم ممبر پارلیمنٹ، وزیر اور مشیر وغیرہ عہدوں پر

فائز رہتے ہیں۔

مسلم ریاست میں غیر مسلم اپنے مذہب کے احکام کے مطابق کھاپی سکتے ہیں۔

مسلم ریاست میں غیر مسلم نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ کے احکام میں اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے

میں آزاد ہیں۔

البتہ مسلم ریاست میں غیر مسلم ذمی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلام کے خلاف فتی پھیلا کرے یا مسلمانوں کی مقدس ہستیوں اور متحرک مقامات کی بے حرمتی کرے اور نہ ہی مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان امور میں غیر مسلموں کی امداد و تعاون کریں۔

اس طرح غیر مسلم کے لیے یہ اجازت نہیں کہ کسی مسلم ریاست میں رہتے ہوئے اس کے خلاف جاسوسی کرے یا دشمن کی مدد کرے یا سازش کرے یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، نیز اس کے لیے یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ مسلم ریاست کے قوانین کی خلاف ورزی کرے یا بد امنی پھیلانے یا کسی کی جان، مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کرے۔

الفرض ایک مسلم ریاست کو اسلام کے سچے پیروکار کی حیثیت سے اپنے غیر مسلم شہریوں کو یہ تمام حقوق خوش دلی سے دینے چاہیے اور ان کو کئی بھی طرح امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں دینا چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کی رواداری، انصاف پسندی اور نیک کرداری سے متاثر ہو کر اسلام کا کثرت راغب ہوں جیسا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں یہ اصول رائج تھا۔

۲۔ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل:

اس وقت دنیا کے مسلمانوں کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی غیر مسلم ممالک میں اقلیتوں کے طور پر رہ رہی ہے جو نہ صرف ان گلوں کے لیے بلکہ ان میں رہنے والے مسلمان اقلیتوں کے لیے ایک آزمائش ہے۔ دنیا کے مختلف غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا

جے
تساب درج ذیل ہے۔

ملک	مسلمان آبادی	ملک	مسلمان آبادی
ناجیریا	43.9%	کیردون	21.2%
یوگنڈا	16.0%	سنگاپور	14.9%
سری لنکا	9.0%	فرانس	7.1%
انگلستان	2.0%	امریکہ	1.9%
		چین	1.5%
		بھارت	11.96%
		موریشیس	16.6%
		جنوبی افریقہ	2.4%

زیادہ تر مسلمانوں کا خیال ہے کہ مسلمان اقلیتیں مسلم امہ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ بہت سے لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول و قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے دیا جانا چاہیے۔ ترقی یافتہ ممالک سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اقلیتوں کو سیاسی، اقتصادی اور انسانی وسائل فراہم کریں تاکہ وہ اسلامی طریقے سے زندگی گزار سکیں۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگرچہ ان ممالک میں مسلمان تین نسلوں سے رہتے چلے آ رہے ہیں پھر بھی ان کی رہائش یہاں مستقل نہیں ہے کیونکہ مسلمان زیادہ دیر غیر مسلموں کے زیر حکومت زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہ سوچ اس خیال کو بھی جنم دیتی ہے کہ مسلمان اقلیتیں، مسلمانوں کی غیر مسلم ممالک میں نوآبادیاں ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو مسلمان اقلیت غیر مسلم ممالک میں بستی ہے ان پر لازم ہے کہ وہ ان ممالک کے ان قوانین کی پابندی کریں کہ جن کا تعلق ملک کے امن و امان سے ہو اور جن کی پابندی سے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔ مسلمانوں اقلیتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ جس غیر مسلم ملک میں بستے ہوں اس کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود میں بھرپور حصہ لے اور اپنی امانت و دیانت، خوش اخلاقی اور صداقت، انسانی ہمدردی، خیر خواہی، بھلائی اور امن پسندی سے نیک نامی پیدا کریں اور اپنے کردار سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کریں۔

اس بات سے قطع نظر کہ غیر مسلم ممالک وہ کردار ادا کر سکتے ہیں، جو اوپر بیان کیا گیا ہے یا نہیں، ایک اور بڑا مسئلہ ان ممالک میں مسلمان اقلیتوں کے مستقبل کا ہے۔ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا مستقبل محفوظ نہیں ہے۔ غیر مسلم ریاست کسی بھی وقت، کسی بات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو ملک بدر کر سکتی ہے۔ جیسا کہ ۲۰۰۱ء میں امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دہشت گردی کے واقعے کے بعد ہوا۔ اس واقعے کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو دہشت گرد اور اس واقعے کا ذمہ دار قرار دے کر ملک بدر کر دیا گیا۔

اسی طرح بھارت کی کئی سیاسی تنظیموں کا بھی رویہ مسلم دشمن ہے۔ اکثر غیر مسلم ممالک کی طرح بھارت میں بھی مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، جس کی ایک مثال بامری مسجد کا شہید کیا جانا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت کے شہر احمد آباد میں ہونے والے مسلم دشمن فسادات اس کا واضح ثبوت ہیں۔

علاوہ ازیں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں سے ایک اہم مسئلہ تعلیم کا بھی ہے۔ مسلمان اقلیت کے بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم کے ایسے اداروں کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن میں ناظرہ قرآن، نماز واذکار اور اسلام کی بنیادی باتوں کی تعلیم کا انتظام ہو۔

نیز ان اخلاق باختہ معاشروں میں مسلمان نوجوانوں کی بے راہ روی کا وافر سامان موجود ہوتا ہے جس سے ان نوجوانوں کے والدین کو شب و روز پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مسلمان اقلیت کے لیے غیر مسلم ممالک میں ایک مسئلہ مسلم خواتین کی شادی بیاہ کا بھی ہے اس لیے کہ قرآن کریم مسلم خاتون کے کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ زن و شوئی کے تعلق کی اجازت نہیں دیتا ہے جب کہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس پابندی کو انسانی حقوق کے منافی قرار دیتا ہے جس پر بد قسمتی سے مسلم ممالک نے بھی دستخط کئے ہیں۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیت کے لیے ایک دشواری بعض اسلامی فرائض کی بجا آوری میں بھی ہے مثلاً یورپی ممالک میں مسلم خواتین کے پردے پر پابندی کا رجحان غالب ہو رہا ہے اور اب تو 9/11 کے بعد غیر مسلم ممالک خصوصاً یورپ و امریکہ میں مسلمان اقلیت کے ساتھ تعصب و نفرت کا رویہ رکھا جاتا ہے اور نسل پرستی کی عام ہوا چل پڑی ہے جس کی وجہ سے بعض ممالک میں مسلمان اقلیت امتیازی سلوک کا شکار ہو گئی ہے۔

ایک غلط تصور جھوٹے پروپیگنڈے کی بدولت قائم کیا گیا ہے کہ مسلمان دہشت گرد اور شدت پسند ہیں اس لیے بھی ان ممالک کے غیر مسلم باشندوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا کی گئی ہے اور مذہبی تعصب کو ابھارا گیا ہے جس سے ان ممالک میں مسلمان اقلیتوں کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے۔ غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان اقلیت کو حلال خوراک کے حصول میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے لیے حکومتی سطح پر انتظام ہونا چاہیے۔

مشق

عربی زبان

باب
نہم

ذریعہ مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:
عربی زبان کی مہارت اربعہ کے ساتھ ساتھ مختلف علوم سے واقف ہو سکیں اور عربی ادب کا
مطالعہ، قرآن مجید، حدیث و آثار کے ادب عالی کے ذریعے کر سکیں نیز وہ جان سکیں کہ مختلف
علوم میں اظہار و بیان کی مختلف شکلیں کیا ہوتی ہیں؟

① المَرْكَبُ. النَّاقِصُ وَالَّتَامُ

المَرْكَبُ النَّاقِصُ:

المَرْكَبُ الْإِضَافِيُّ:

دو الفاظ کا ایک ایسا مرکب جس میں ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے ایک خاص تعلق ہو۔ اس تعلق یا نسبت کو اضافت کا نام دیا
جاتا ہے۔ اردو میں ہم اس تعلق کو ”کا، کی، کے“ وغیرہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

هَذَا كِتَابُ الْأُسْتَاذِ یہ استاد کی کتاب ہے۔
هَذِهِ دَرَجَةُ الْعِلْمِ یہ لڑکے کی سائیکل ہے۔
ذَلِكَ بَابُ الْمَدْرَسَةِ یہ مدرسہ کا دروازہ ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں میں ”کتاب کو استاد سے“، ”سائیکل کو لڑکے سے“ اور ”دروازہ کو مدرسہ سے“ ایک خاص نسبت ہے۔
ان کا نام نسبت کو ”اضافت“ کا نام دیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۔ درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔

- الف۔ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔ وضاحت کریں۔
ب۔ ”سعودی عرب عالم اسلام کا محور و مرکز ہے“ اس بیان کی وضاحت سعودی عرب کے دیگر مسلمان ممالک کے
ساتھ تعلقات کی روشنی میں کریں۔

- ج۔ افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات ہمیشہ غیر مستحکم رہے۔ بحث کریں۔
د۔ موجودہ دور میں عالم اسلام کے جدید و جدید مسائل تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

- الف۔ پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کی بنیاد کس چیز پر ہے؟
ب۔ معاہدہ بغداد کن ممالک کے مابین ہوا تھا؟
ج۔ افریقی مسلم ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کس وجہ سے مضبوط ہیں؟
د۔ بھارت میں مسلمانوں کو درجہ تین مسائل کا ذکر کریں۔
و۔ سنگاپور میں کتنے فیصد مسلمان آباد ہیں؟

سوال نمبر ۳۔ غلط اور درست کی نشاندہی کریں۔

- الف۔ شاہ فیصل نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیا۔
ب۔ تحریک خلافت افغانستان کے مفاد کے لیے شروع کی گئی۔
ج۔ علاقائی تعاون برائے ترقی پاکستان اور ترکی کے درمیان ۱۹۵۴ء میں قائم ہوا۔
د۔ بھارت میں تقریباً بارہ فیصد مسلمان رہتے ہیں۔
و۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو تباہ ہوا۔
و۔ یسپا کے صدر معمر قذافی نے ۱۹۷۷ء کو اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے۔
سرگرمی: معلم / معلمہ، طلباء / طالبات کو پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات کو خط وقت کے ذریعے واضح
کرنے کا کام تفویض کرے۔

★ جس اسم کو کسی کی طرف منسوب کیا جائے وہ مضاف کہلاتا ہے۔ جبکہ اسے جس اسم کی طرف منسوب کیا جائے وہ مضاف الیہ کہلاتا ہے۔ مثلاً پہلی مثال میں کتاب کو استاد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس مثال میں کتاب ”مضاف“ جبکہ استاد ”مضاف الیہ“ ہے۔

★ جس طرح اسم ظاہر مضاف الیہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ وہی گئی مثالوں میں بتایا گیا ہے۔ مثلاً اِسْمُ الْوَلَدِ۔ اِسْمُ الْأُسْتَاذِ۔ اِسْمُ الْمَرْأَةِ۔

اسی طرح ضمیر متصل بھی مضاف الیہ بن سکتا ہے۔ مثلاً اِسْمُهُ، اِسْمُكَ، اِسْمِي۔ اب ایسے جملے پیش کیے جاتے ہیں جو مرکب اضافی پر مشتمل ہیں۔ ان کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

هَذَا عَبْدُ اللَّهِ

الْمَسْجِدُ بَيْتُ اللَّهِ

خَلِيبُ الْبَقَرِ مُفِيدٌ

كِتَابُكَ جَدِيدٌ

درج بالا مثالوں میں مضاف نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔

التوصیفی:

دو اسموں کا ایسا مجموعہ جس میں دوسرا اسم اپنے سے پہلے اسم کی اچھائی یا برائی بیان کرے۔

★ عربی میں اردو کے برعکس موصوف پہلے آتا ہے۔ مثلاً: رَجُلٌ صَالِحٌ (نیک آدمی)

★ جس اسم کی اچھائی، برائی یا دیگر کیفیت بیان کی جائے ”موصوف“ کہلاتا ہے اور جو اسم اچھائی یا برائی بتا رہا ہو ”صفت“ ہوتا ہے۔

★ تذکرہ تانیث میں صفت اپنے موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔

★ اگر ”موصوف“ اسم معرفہ ہو تو ”صفت“ بھی اسم معرفہ ہوتی ہے اور اگر ”موصوف“ اسم نکرہ ہو تو ”صفت“ بھی اسم نکرہ

آئے گی۔

★ واحد اور جمع میں بھی ”صفت“ اپنے ”موصوف“ کے مطابق ہوتی ہے۔

درج ذیل جملوں میں مرکب توصیفی استعمال کیا گیا ہے۔

هَذَا رَجُلٌ صَادِقٌ

یہ سچا آدمی ہے۔

تِلْكَ سَيَّارَةٌ سَرِيعَةٌ

ذَلِكَ طَرِيقٌ عَرِيفٌ

وہ تیز رفتار موٹر کار ہے۔

وہ چوڑا راستہ ہے۔

پہلی مثال میں آدمی کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ سچا ہے۔ اس طرح اس جملے میں ”سچا“ صفت جبکہ ”آدمی“ موصوف ہے۔

مرکب توصیفی کے جملوں میں اگر موصوف مونث ہو تو صفت بھی مونث آئے گی۔ اسی طرح اگر موصوف مذکر ہو تو صفت بھی

مذکر ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

مُعَامَلَةٌ حَسَنَةٌ

مَسَاعِدَةٌ قِيَمِيَّةٌ

اچھا معاملہ

قیمتی گھڑی

لَا عِيبَ سَرِيعٌ

بَابٌ عَرِيفٌ

تیز رفتار کھلاڑی

چوڑا دروازہ

اگر موصوف اسم نکرہ ہو تو صفت لام تعریف (معرفہ بنانے والا ”ال“) کے بغیر آئے گی۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے

ظاہر ہے۔

قَوَاءٌ مُرٌّ

کڑوی دوا

رَجُلٌ صَالِحٌ

نیک آدمی

② المُرْكَبُ الْعَدَدِي

عربی	اردو	عربی	اردو
وَاحِدٌ	ایک	إِثْنَانٌ	دو
ثَلَاثَةٌ	تین	أَرْبَعَةٌ	چار
خَمْسَةٌ	پانچ	سِتَّةٌ	چھ
سَبْعَةٌ	سات	ثَمَانِيَةٌ	آٹھ
تِسْعَةٌ	نو	عَشْرَةٌ	دس
أَحَدُ عَشَرَ	گیارہ	إِثْنَا عَشَرَ	بارہ
ثَلَاثُ عَشَرَ	تیرہ	أَرْبَعُ عَشَرَ	چودہ

پندرہ	خمس عشر	سولہ	خمس و خمسون	چھپن	سِت و خمسون	مچھن
سترہ	سبع عشر	اٹھارہ	سبع و خمسون	ستاون	ثمانی و خمسون	اٹھاون
انیس	تسع عشر	بیس	تسع و خمسون	انٹھ	سِتُون	ساٹھ
اکیس	واحد و عشرون	بائیس	واحد و سِتُون	اکٹھ	اِثنان و سِتُون	باٹھ
تیس	ثلاث و عشرون	چوبیس	ثلاث و سِتُون	ترہٹھ	اربع و سِتُون	چوٹھ
پچیس	خمس و عشرون	چھیس	خمس و سِتُون	پنہٹھ	سِت و سِتُون	چھیٹھ
ستائیس	سبع و عشرون	اٹھائیس	سبع و سِتُون	سرٹھ	ثمانی و سِتُون	اڑٹھ
اتیس	تسع و عشرون	تیس	تسع و سِتُون	اہتر	سبعون	ستر
اکیس	واحد و ثلاثون	بیس	واحد و سبعون	اکہتر	اِثنان و سبعون	بہتر
تینتیس	ثلاث و ثلاثون	چونتیس	ثلاث و سبعون	تہتر	اربع و سبعون	چوہتر
پینتیس	خمس و ثلاثون	چھتیس	خمس و سبعون	چھتر	سِت و سبعون	چھیتر
سینتیس	سبع و ثلاثون	اڑتیس	سبع و سبعون	ستر	ثمانی و سبعون	اٹھتر
اتالیس	تسع و ثلاثون	چالیس	تسع و سبعون	اناسی	ثمانون	اسی
اکتالیس	واحد و أربعون	بیالیس	واحد و ثمانون	اکاسی	اِثنان و ثمانون	بیاسی
تینتالیس	ثلاث و أربعون	چوالیس	ثلاث و ثمانون	تراسی	اربع و ثمانون	چوراسی
پینتالیس	خمس و أربعون	چھیالیس	خمس و ثمانون	پچاسی	سِت و ثمانون	چھیاسی
سینتالیس	سبع و أربعون	اڑتالیس	سبع و ثمانون	ستاسی	ثمانی و ثمانون	اٹھاسی
انچاس	تسع و أربعون	پچاس	تسع و ثمانون	نواسی	تسعون	نوے
اکاون	واحد و خمسون	بادون	واحد و تسعون	اکانوے	اِثنان و تسعون	بانوے
ترہن	ثلاث و خمسون	چون	ثلاث و تسعون	ترانوے	اربع و تسعون	چورانوے

خَمْسَ وَ تِسْعُونَ	پچانوے	مِثْ وَ تِسْعُونَ	چھانوے
سَبْعَ وَ تِسْعُونَ	ساتانوے	تَمَانِي وَ تِسْعُونَ	اٹھانوے
تِسْعَ وَ تِسْعُونَ	نانانوے	مِائَة	سو

③ المَرْكَبُ التَّام:

الْجُمْلَةُ الْإِسْمِيَّة:

جملہ اسمیہ وہ ہوتا ہے جس کی ابتداء اسم ظاہر یا متصل ضمیر (جیسے هُوَ، نَحْنُ، أَنْتَ) سے ہو۔

- ا. الْكِتَابُ جَدِيدٌ الْيَلِيمَةُ غَائِبَةٌ الْأَشْجَارُ عَالِيَةٌ
- الرُّجَالُ طَوَالٌ الْأَحْوَالُ هَادِفَةٌ الْقَدْلُ رَحِمَةٌ

☆ درج بالا جملوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہر مبتداء اور خبر مفرد کلمہ ہے، مرکب نہیں۔

- ب. أَقْلَمُ قَوْقُ الْكِتَابِ هَذَا كِتَابُ الْأُسْتَاذِ الْوَلَدُ كَثِيرُ الْعَطْفِ
- أَنَا قَحْتُ السَّقْفِ أَنْتَ بَيْنَ الْكُتُبِ نَحْنُ أَعَامُ الْأُسْتَاذِ

☆ درج بالا میں مبتداء مفرد کلمہ ہے جبکہ خبر مضاف و مضاف الیہ سے مرکب ہے۔

- ج. الْوَلَدُ فِي الْبُسْتَانِ السَّيِّدَةُ فِي الْمَنْزِلِ الْبَيْتُ فِي الْحَدِيقَةِ
- إِلَآنَسَانُ مِنْ تَرَابٍ الْأُمُّ بِالْأَخْلَاقِ الْيَجَاعَةُ فِي الصِّدْقِ

☆ درج بالا جملوں میں بھی مبتداء مفرد کلمہ ہے مگر خبر جار و مجرور سے مرکب ہے۔

- د. الْبَيْتُ حَفِظْتُ دَرَسَهَا أَنَا أَذْكَرُ ذُرُوبِي حَامِدُ انْشَغَلَ الْيَوْمَ
- الْقَمَارُ قُلْتُ فِي الشِّتَاءِ

☆ درج بالا جملوں میں مبتداء مفرد اور خبر جملہ فعلیہ ہے۔

- ه. بَاكِسْتَانُ أَرْضُهَا غَنِيَّةٌ الْحِجَازُ أَرْضُهَا مُبَارَكَةٌ الْبَيْتُ إِسْمُهَا رَضِيَّةٌ
- الْمُؤْمِنُ مِعْرَاجُهُ الصَّلَاةُ

☆ تذکرہ بالا جملوں میں:

☆ خبر ایک جملہ اسمیہ ہے جو خود مبتداء اور خبر پر مشتمل ہے۔

☆ اور اس کا مبتداء ہر حال میں مضاف اور مضاف الیہ سے مرکب ہے۔

☆ اور یہ مضاف الیہ ہر حال میں ایک ضمیر ہے جو پہلے مبتداء کی طرف راجع ہے۔

☆ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْفِطْرَةِ أَلَذُّ الْأَخِرَةِ ذَاوُ الْبَقَاءِ

☆ صَلَاحُ الْخَالِ مَرَجَعُهُ الْأَخْلَاقُ عَبْدُ اللَّهِ كَثِيرُ الْعِبَادَةِ

☆ درج بالا مثالوں میں مبتداء بھی مرکب ہے اور خبر بھی۔

☆ فَوْقَ الشَّجَرَةِ طَيْرٌ أَعَامُ السَّيَّارَةِ خَجَرٌ

☆ فِي الْجَوِّ سَحَابٌ فِي الْمَدْرَسَةِ حَفْلٌ

☆ درج بالا مثالوں میں خبر جملے کے شروع میں ہے اور مبتداء بعد میں۔ ایسی صورت میں بالعموم مبتداء اسم مکرر ہوتا ہے

اہم نکات:

☆ جملہ اسمیہ میں پہلا جز مبتداء کہلاتا ہے اور دوسرے جز کو خبر کہتے ہیں خواہ وہ مفرد لفظ ہو، مرکب ہو یا جملہ۔

☆ عام طور پر جملہ اسمیہ میں مبتداء اسم معرف ہوتا ہے اور خبر مکرر ہوتی ہے۔

☆ البتہ خبر مبتداء سے پہلے آجائے تو مبتداء عموماً مکرر ہوتا ہے۔

☆ اگر مبتداء واحد ہو تو خبر بھی واحد اور جمع ہو تو خبر بھی جمع ہوگی۔

☆ اسی طرح اگر مبتداء مذکر ہو تو خبر بھی مذکر اور مؤنث ہو تو خبر بھی مؤنث ہوگی۔

☆ البتہ اگر مبتداء جمع مکرر ہو تو خبر واحد مؤنث آئے گی۔ مثلاً الْأَشْجَارُ طَوِيلَةٌ (درخت لمبے ہیں)۔

الْجُمْلَةُ الْفِعْلِيَّة:

☆ جملہ فعلیہ وہ ہوتا ہے جس کے شروع میں کوئی فعل ہو۔

☆ جَاءَ حَامِدٌ وَصَلَتِ السَّيَّارَةُ

☆ طَلَعَ الْقَمَرُ رَجَعَتْ الْمَسَافِرَةُ

☆ جَلَسَ الْأُسْتَاذُ اخْضَرَّتِ الْأَرْضُ

☆ درج بالا مثالوں میں سب جملے فعل ماضی سے شروع ہوتے ہیں۔ پہلے کالم میں ہر جملے کا قائل مذکر ہے اس لیے فعل بھی مذکر

ہے۔ دوسرے کالم میں ہر جملے کا فاعل مؤنث ہے اس لیے فعل بھی مؤنث کے صیغے میں آیا ہے۔

ب. يَلْعَبُ الطِّفْلُ يَرْجِعُ الْمُسَافِرُ يَفْرَحُ الْوَلَدُ
تَكْتُبُ فَاطِمَةُ تَذْهَبُ خَدِيجَةُ تَقْدُمُ الْمُسَافِرَةُ

درج بالا جملوں میں صرف یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ ہر جملہ فعل ماضی کی بجائے فعل مضارع سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں بھی جملے کا فاعل مذکر ہے تو فعل بھی مذکر ہے اور اگر جملے کا فاعل مؤنث ہے تو فعل بھی مؤنث کے صیغے میں آیا ہے۔

ج. غَابَ الْغُلَامُ ذَهَبَتِ الْبَيْتُ إِتَّصَلَ الْمَدْرَسَاتُ
درج بالا جملوں سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ فعلیہ میں فاعل خواہ جمع ہو یا واحد، فعل واحد کے صیغے میں آتا ہے البتہ مذکر کے ساتھ مذکر اور مؤنث کے ساتھ مؤنث۔

د. تَضَيَّعَتِ الْبَيْتُ تَفْتَحَتِ الزُّرُورُ غَطَّشَتِ الزُّرُورُ
فاعل اگر جمع غیر عاقل ہو تو اس کا فعل عام طور پر واحد مؤنث کے صیغے میں آتا ہے البتہ اگر فاعل جمع عاقل ہو تو فعل مذکر بھی جائز ہے اور مؤنث بھی۔

مثلاً قَالَتِ الْأَعْرَابُ قَالَ نِسْوَةٌ

ه. عَاذَ فَضْلُ الرَّحْمَنِ مِنْ لَاهُورِ وَخَضِرُ إِلَى الْعَمَلِ صَبَاحاً
تُخَيِّنُ الْبَيْتُ إِلَى الْفُقَرَاءِ وَقَعَتِ الطُّفْلَةُ عَلَى الْأَرْضِ

ان جملوں میں فاعل کے بعد مفعول نہیں۔ فعل صرف فاعل کے ساتھ ہی پورا ہو گیا ہے۔ ایسے فعل کو جسے مفعول کی ضرورت نہ ہو، فعل لازم کہتے ہیں۔

و. جَرَبَ الْأُسْتَاذُ الْوَلَدَ رَفَعَ اللَّهُ السَّمَاءَ
يَدْخُلُ الْمُؤْمِنُ الْحَنَّةَ لَيْسَ الْوَلَدُ ثَوْباً جَدِيداً

درج بالا جملوں میں ہر جملہ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر بنا ہے۔ مفعول کے بغیر فعل کی تکمیل نہیں ہوتی۔ ایسے افعال جو مفعول کے بغیر مکمل نہ ہوں حدی کہلاتے ہیں۔

ز. شَرِبَتِ الْمَاءَ خَضَرْنَا الْمَدْرَسَ نَسَلُ اللَّهُ النَّجَاحَ
ان مثالوں میں کسی جملے کا فاعل اسم ظاہر نہیں بلکہ جملے کے فعل میں ایک ضمیر بارز (ظاہر) یا مستتر (چھپی ہوئی) ہے جو اس کا

فاعل ہے۔

اگر مفعول پر زور دینا مقصود ہو تو اسے فاعل سے پہلے لایا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

عَلِمَ الْوَلَدُ الْأُسْتَاذَ دَخَلَ الْمَنْزِلَ الضُّيُوفَ اِنْتَظَرَكَ الرَّجُلُ

اہم نکات:

جملہ فعلیہ ہمیشہ فعل سے شروع ہوتا ہے۔

عموماً فعل کے بعد فاعل اور پھر مفعول آتا ہے۔

مفعول پر زور دینا مقصود ہو یا مفعول ضمیر متصل ہو تو فعل فاعل سے پہلے آئے گا۔

فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے۔

مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔

فاعل خواہ واحد ہو یا جمع، فعل بہر صورت واحد ہوتا ہے۔ البتہ اگر فاعل جمع مکسر ہو تو مذکر بھی ہو سکتا ہے اور مؤنث بھی۔

فاعل مذکر ہو تو فعل بھی مذکر ہوگا اور اگر فاعل مؤنث ہو تو فعل بھی مؤنث ہوگا۔ البتہ

فعل اور فاعل کے درمیان کوئی اور کلمہ حائل ہو تو فعل مؤنث بھی ہو سکتا ہے اور مذکر بھی جیسے:

جَاءَ الْيَوْمَ الْبَيْتُ اور جَاءَتْ الْيَوْمَ الْبَيْتُ دونوں درست ہیں۔

مؤنث حقیقی (یعنی جنس کے لحاظ سے مؤنث) نہ ہو بلکہ استعمال کے لحاظ سے مؤنث (جسے مؤنث سائی کہتے ہیں) ہو۔ مثلاً

طَلَعَ الشَّمْسُ اور طَلَعَتِ الشَّمْسُ دونوں درست ہیں۔

الْفَاعِلُ وَالْفِعْلُ وَالْمَفْعُولُ بِهِ

الْفَاعِلُ:

فقرے میں فاعل کام کرنے والے کو کہتے ہیں یعنی جملے میں جو کوئی کام کر رہا ہو اسے فاعل کہیں گے۔ مثلاً

أَسْلَمَ يَضْرِبُ الْكَلْبُ اور أَحْمَدُ يَخْرُجُ إِلَى الْمَدْرَسَةِ

اوپر دی گئی مثالوں میں بالترتیب أَسْلَمَ اور أَحْمَدُ فاعل ہیں۔

الفعل: فقرے میں جو کام ہو رہا ہو اسے فعل کہتے ہیں۔ مثلاً

اوپر دی گئی مثالوں میں يَضْرِبُ اور يَخْرُجُ فعل ہیں۔

المفعول: فقرے میں جس شخص یا چیز پر کوئی کام ہو رہا ہو، اسے مفعول کہتے ہیں۔ مثلاً

اوپر دی گئی مثالوں میں الْكَلْبُ اور الْمَدْرَسَةُ مفعول ہیں۔



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیں۔

الف۔ مرکب الکافص پر جامع نوٹ لکھیں اور مثالوں سے وضاحت کریں۔

ب۔ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی تعریف کریں اور اپنے جواب کو مثالوں سے واضح کریں۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ مضاف اور مضاف الیہ سے کیا مراد ہے؟

ب۔ "فاعل" کیا ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

ج۔ مبتداء اور خبر کے کتے ہیں؟

د۔ فعل لازم سے کیا مراد ہے؟

و۔ "مفعول" کسے کہتے ہیں؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

و۔ موصوف اور صفت میں فرق واضح کریں۔

ز۔ "فعل" سے کیا مراد ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔

و۔ مؤنث حقیقی اور مؤنث سماعی میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ درج ذیل میں سے کس جملے میں مرکب اضافی استعمال کیا گیا ہے۔

الف۔ ذلک باب المدرّسة ب۔ هذا رجل صادق

ج۔ ذلک طریق غریض د۔ أسلم يضرب كلب

ii۔ درج ذیل میں سے ضمیر متصل کی نشاندہی کریں۔

الف۔ رجل ضائع ب۔ لاعب سريع ج۔ إسمک د۔ الشجار الغالبیة

iii۔ "المدار الآخرة دار البقاء" دیے گئے جملے میں مبتداء اور خبر ہیں۔

الف۔ مبتداء مفرد، خبر مرکب ب۔ مبتداء مرکب، خبر مفرد

ج۔ مبتداء اور خبر دونوں مرکب د۔ مبتداء اور خبر دونوں مفرد

iv۔ عام طور پر جملہ اسمیہ میں مبتداء _____ ہوتا ہے۔

الف۔ اسم فاعل ب۔ اسم مکرر ج۔ اسم معرف د۔ اسم موصوف

v۔ ایسا فعل جو مفعول کے بغیر مکمل نہ ہو اسے کیا کہتے ہیں؟

الف۔ فعل مضارع ب۔ فعل ماضی ج۔ فعل متعدی د۔ فعل لازم

vi۔ جملہ اسمیہ میں اگر مبتداء جمع مکتسر ہو تو خبر ہوگی۔

الف۔ واحد مذکر ب۔ واحد مؤنث ج۔ جمع مذکر د۔ جمع مؤنث

vii۔ جملہ فعلیہ میں فاعل اگر جمع غیر عاقل ہو تو اس کا فعل ہوگا۔

الف۔ واحد مذکر ب۔ جمع مذکر ج۔ واحد مؤنث د۔ جمع مؤنث

سوال 4: خالی جگہ مناسب الفاظ سے پر کریں۔

الف۔ جملہ اسمیہ وہ ہوتا ہے جس کی ابتداء اسم ظاہریا _____ سے ہو۔

ب۔ اسمیہ جملے میں اگر خبر مبتداء سے پہلے آجائے تو مبتداء عموماً _____ ہوتا ہے۔

ج۔ "هذا ككتاب الأستاذ" میں کتاب کو استاد کے ساتھ جو نسبت ہے اسے _____ کہتے ہیں۔

د۔ تذکیر و تانیث میں صفت اپنے _____ مطابق ہوتی ہے۔

و۔ جملہ فعلیہ وہ ہوتا ہے جس کے شروع میں کوئی _____ فعل ہو۔

د۔ جملہ اسمیہ میں اگر مفعول پر زور دینا مقصود ہو تو اسے فاعل _____ لکھا جاتا ہے۔

سوال 5: کالم ملائیے۔

۱۔	أَسْلَمَ يَضْرِبُ الْكَلْبَ	چاند نکلا۔
۲۔	لَا عَيْبَ سَرِيعَ	يَضْرِبُ
۳۔	طَلَعَ الْقَمَرُ	اسلم کئے کو مار رہا ہے۔
۴۔	هَذَا كِتَابُ الْأُسْتَاذِ	اسی
۵۔	طَوِيقٌ غَرِيبٌ	تیز رفتار کھلاڑی
۶۔	فعل مضارع	منسوب ہوتا ہے۔
۷۔	منفصل ضمیر ہے	یہ استاد کی کتاب ہے۔
۸۔	فاعل ہمیشہ	مرفوع ہوتا ہے۔
۹۔	ضمیر متصل	نَحْنُ
۱۰۔	مفعول ہمیشہ	چوڑا راستہ

مصنفین کے بارے میں

۱۔ نیاز محمد

نیاز محمد ایک سرگرم ماہر تعلیم ہیں۔ آپ کا تعلق سرہند پشاور سے ہے۔ آپ نے شیخ زید اسلامک سنٹر سے بی۔ اے آنرز کے ساتھ ساتھ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ آپ عرصہ دراز سے ایک سرکاری ادارے میں اسلامیات اور عربی کی درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

۲۔ محترمہ پروین اختر

آپ گزشتہ تیرہ سال سے درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ آپ نے ایم اے عربی زبان و ادب کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ تحقیق اور تدریس سے گہری دلچسپی ہے۔ آج کل آپ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی میں تدریس عربی و اسلامیات کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

۳۔ مسز ناصرہ حمید

آپ گزشتہ تیرہ سال سے درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ آپ نے ایم اے اسلامک ہسٹری کی ڈگری کراچی یونیورسٹی سے حاصل کی۔ تحقیق اور تدریس سے گہری دلچسپی ہے۔ آج کل آپ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، مسلم ٹاؤن، راولپنڈی میں تدریس اسلامیات کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

۴۔ محترمہ عزیز نورین

آپ گزشتہ آٹھ سال سے تعلیم و تدریس، درسی کتب کی تیاری اور تعلیمی پیکٹس و جائزہ کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ آپ قومی تعلیمی جائزہ نظام (NEAS) اور شعبہ نصاب، وفاقی وزارت تعلیم، اسلام آباد کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔ آپ نے ماسٹری کی ڈگری ہارانی زرعی یونیورسٹی راولپنڈی سے حاصل کی۔ آپ اس وقت گورنمنٹ گرلز ہائرسکول ڈی سکول نمبر 1، کھوڑا ضلع ایک میں فرائض منصبی ادا کر رہی ہیں۔

مومن نثار لکس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اسے بہت اچھا اور خوب صورت بنایا مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ چھوٹ گئی۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں اور تعجب میں پڑ جاتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں“
(صحیح بخاری: باب خاتم النبیین)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو
اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم
کیا جائے۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰)

کسی نے ہرگز کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمانی
سے بہتر نہیں کھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمانی
کھایا کرتے تھے۔ (حدیث نبوی ﷺ، صحیح بخاری)

قومی ترانہ

کشور حسین شاد باد
ارضِ پاکستان!

پاک سرزمین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان

مرکز یقین شاد باد

قوتِ اخوتِ عوام
پائندہ تابندہ باد

پاک سرزمین کا نظام
قومِ ملک، سلطنت

شاد باد منزلِ مراد

رہبر ترقی و کمال
جانِ استقبال!

پرچمِ ستارہ و ہلال
ترجمانِ ماضی شانِ حال

سایہ خدائے روزِ لجلال



Leading Books Publisher
Jamrud Road, Peshawar

Code No

Quantity

Printer

PSP/PMNT-49-217-1920(O)

87,630

Paramount Printing
Press